

پاکستان میں

تعلیم آغا خان کے حوالے

پس منظر۔ مقاصد۔ اثرات





ادارہ مطبوعات طلبہ، کراچی

پاکستان میں

تعلیم آغا خان کے حوالے

پس منظر۔ مقاصد۔ اثرات

ادارہ مطبوعات طلبہ، کراچی

ایف۔۱۰۶، سلیم ایونیو، بلاک ۱۳۔بی، یونیورسٹی روڈ، گلشن اقبال، کراچی
فون: ۰۲۱۔۴۹۸۲۳۴۳، فیکس: ۰۲۱۔۴۹۸۶۴۱۸

نام کتاب: پاکستان میں **تعلیم آغا خان کے حوالے**

پس منظر' مقاصد' اثرات

ناشر: ادارہ مطبوعات طلبہ' کراچی

تعاون: اسلامک ریسرچ اکیڈمی' کراچی

تقسیم کار: مکتبہ معارفِ اسلامی کراچی

فون: ۶۳۴۹۸۴۰ (۰۲۱)

اشاعتِ اول: مارچ ۲۰۰۵ء

تعداد: ۲۰۰۰

اشاعتِ دوم (مع ترمیم و اضافہ): مارچ ۲۰۰۵ء

تعداد: ۱۰۰۰۰

قیمت: [illegible]

اِنتساب

اُن نوجوانوں کے نام

جن کا عزم ہے کہ

سیکولر، بے دین نہ بننے دیں گے پاکستان کو !

اور

اُن لاکھوں شہیدوں کے نام

جن کا سرخ سرخ، گرم گرم لہو بہایا گیا

اِس جرم میں

کہ اُنہوں نے ایک اسلامی پاکستان

کا خواب دیکھا اور اس کا نعرہ لگایا تھا !!



ابتدائیہ

آج کا جرنلستان اور کل کا پاکستان جس کے حصول کی تاریخ میں ماؤں نے اپنے دل کے ٹکڑوں' لختِ جگروں کو اپنی آنکھوں کے سامنے نیزوں میں پروتے دیکھا۔۔۔ عزتیں تار تار ہوئیں۔۔۔ گھر بار' کاروبار چھوٹا۔۔۔ مٹی کی خوشبو پانے' چھونے اور ہاتھ میں اٹھانے کا خواب دیکھا۔۔۔ سیکڑوں کے قافلے درجنوں میں تبدیل ہو گئے۔۔۔ ٹرینوں میں سوار ہزاروں پاکستان جانے والے پاکستان تو پہنچ گئے لیکن ایسی حالت میں کہ ٹرین کا دروازہ کھلتا ہے تو کٹی' ٹوٹی پھوٹی لاشیں اور اعضا باہر گرتے ہیں۔ سیکڑوں کھانوں کی دیگوں کے ساتھ اپنے مسلمان بھائیوں کا انتظار کرنے والے انتظار کرتے رہ گئے۔ شاید ہمیں یاد ہو یا کہیں پڑھا ہو۔ یہ تاریخ اس لیے رقم کی گئی تھی کہ ایک ایسی پاک سرزمین (پاکستان) مل رہی ہے جس کا مطلب ہی لا الہ الا اللہ ہے۔ جہاں چلنے کی آزادی ہوگی' بولنے کی آزادی ہوگی' سجدے کی آزادی ہوگی' ظلم سے نجات ملے گی لیکن بدنصیبی۔۔۔ خواب' خواب ہی رہ گیا اور شروع دنوں سے ہی اس ملک پر جرنیلوں کا قبضہ ہو گیا جس میں ملک ٹوٹا' ملک کی عزت اور وقار کا سودا ہوا' قومی ہیرو کو زیرو بنایا گیا' زیرو ہیرو کہلانے لگے' یہود و نصاریٰ کی فوج کے سپاہی بن کر درندوں کی طرح افغانستان اور وانا میں قوم کے محافظ اسلام کو تلاش کر کے تہِ تیغ کیا گیا' گوانتا ناموبے کے پنجروں میں بند کروایا گیا اور اب جرنل پرویز مشرف جرنیلی شراب کے نشے میں معاشرے کو اخلاقیات سے پاک کرنے میں مستعدی سے عمل پیرا ہیں۔ تہذیب و اخلاق سے عاری طاقت کے نشے میں چوران حکمرانوں نے تعلیم کے نام پر بربادی کا کھیل شروع کر رکھا ہے۔

حکومت پاکستان نے ملک میں تعلیمی نظام آغا خان بورڈ کے حوالے کرنے کے بدلے ۶۰۰ ملین ڈالر امداد وصول کی ہے۔ بورڈ کے قیام پر آنے والے ۳۷ لاکھ کے اخراجات کا ۶۰ فیصد امریکہ نے ادا کیا ہے۔ مذکورہ رقم حکومت پاکستان کے توسط سے آغا خان بورڈ کو دی گئی

ہے۔حکومت پاکستان کو ملک میں سیکولر نظام تعلیم رائج کرنے کے لئے جو ۶۰۰ ملین ڈالر کی امداد ملی ہے اس میں دیگر اداروں کی امداد شامل نہیں ہے۔ امریکہ ۴۵ لاکھ ڈالر کی رقم حکومت پاکستان کے توسط سے آغا خان بورڈ کو ادا کر چکا ہے۔حکومتی دعوئ ہے کہ آغا خان بورڈ جدید تعلیم وطریقہ امتحانی نظام متعارف کرائے گا۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہمارے پہلے سے موجود بورڈ امتحانی عمل بحسن خوبی انجام نہیں دے رہے اور اگر نہیں دے رہے تو کیا ان میں موجود سقم کو دور نہیں کیا جاسکتا۔کیا اس کا علاج صرف آغا خان کے پاس ہے جن کے عقائد ہندووانہ اور مشرکانہ ہیں۔ ہمارے سامنے کرسچین مشنری اسکولوں اور کالجوں کی حسن کارکردگی جابجا موجود ہے کہ ان اداروں کے فیض یافتہ بیوروکریٹس سیاست دان جرنیل ملک کی نظریاتی اساس کے یکسر مخالف ۵۸ برس سے حکومتی ایوانوں میں موجود ہیں اور آج حالت یہ ہے کہ نہ ہم دینی اعتقادات پر مضبوطی سے قائم ہیں اور نہ ہی قومی حمیت وغیرت سے ہی بہرہ مند ہیں۔ ظاہری بات ہے ان اداروں نے اپنی ترجیحات کے مطابق طلباء کی تعلیم وتربیت کی ہے جو ہماری نظریاتی اساس سے میل نہیں کھاتی۔

اس وقت آئندہ نسلوں کو ایسے سانچے میں ڈھالنے کے لئے جو رسماً تو مسلمان ہوں مگر عملاً یہود ونصاریٰ کے تابع مہمل ہوں۔ امریکہ + جرنیل حکمران + آغا خان بورڈ میدان عمل میں اپنے حواریوں کے ساتھ موجود ہیں۔ جنرل پرویز مشرف جنہوں نے اپنا آئیڈیل کمال اتاترک کو قرار دیا ہے کہ جس نے ترکی قوم کو مسجدوں اور اجتماعی مراکز سے محروم کیا۔ جہاں پردہ اور اذان پر پابندی لگائی گئی۔ اسلامی شریعت کے بجائے رومن لا کو ملکی قانون قرار دیا گیا۔ جنرل صاحب انہی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے فرماتے ہیں کہ پردہ، اسلامی روایات، ترقی وخوشحالی کے راستے میں رکاوٹ ہے۔ اسلامی قانون تعزیرات پر آج کے جدید دور میں عملدرآمد نہیں کیا جاسکتا۔ پرویز صاحب فخریہ بتاتے ہیں کہ میرے پورے خاندان میں صرف ایک داڑھی والا ہے۔ پردہ اور داڑھی پسماندہ تصویر پیش کرتے ہیں۔ جن لوگوں کو نیکر میں دوڑتی لڑکیاں اچھی نہیں لگتیں وہ اپنی آنکھیں اور ٹی وی بند کرلیں۔ بسنت بہت اچھا تہوار ہے، اگلے سال اس کو اسلام آباد میں بھی

منائیں گے۔

اس پس منظر اور خیالات کی روشنی میں ہمارے نصاب میں تبدیلیاں کی جارہی ہیں۔ جو تھوڑا بہت بھی اسلام ہماری درسی کتابوں میں موجود ہے اس کو بھی دیس نکالا دیا جارہا ہے۔

آغا خان تعلیمی بورڈ کے حوالے سے کہا جاتا رہا ہے کہ نصاب قرآن اور نظریہ پاکستان کے مطابق ہوگا۔لیکن اسلامیات کے لئے میٹرک کا جو نصاب پیش کیا گیا ہے اس میں قرآن سے متعلق کوئی چیز خوردبین سے دیکھنے پر بھی نظر نہیں آتی۔آغا خان بورڈ اور این جی اوز کے ذریعے پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے کہ

"دو قومی نظریہ نفرت کی علامت ہے۔ محمد بن قاسم نے چوری چھپے حملہ کرکے وطن کے بیٹے راجہ داہر جیسے بے ضرر انسان کو خواہ مخواہ شکست دی۔ ہندوستان پر قبضہ کرنے والے انگریز ماضی کی داستان تھے اور آج کے انگریز دوسری چیز ہیں، جو ہمارے دوست ہیں۔ میجر طفیل، راجہ عزیز بھٹی، راشد منہاس اور دیگر نشانِ حیدر رکھنے والے افراد کا تذکرہ بھی خارج از نصاب قرار دیا جائے، کیونکہ اس طرح بے جا طور پر ہندوئوں سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ محمود غزنوی اور غوری حکمران کا ذکر بھی ہندو کے خلاف نفرت پیدا کرتا ہے۔ نہرو اور کانگریس کے خلاف بھی مواد حذف کیا جائے۔ عاصمہ جہانگیر وغیرہ کو رول ماڈل کے طور پر پیش کرنے کے لئے پیش رفت کی جائے۔ صحابہ کرام "بڑے لبرل" تھے رسول اکرمﷺ نے مسلمانوں اور یہودیوں پر مشتمل ایک تاریخی معاہدہ کیا تھا جس سے مسلم اور یہودی اسلامی ریاست کے شہری بن گئے۔ ان چیزوں کو روبہ عمل لانے کے لئے ایک حد تک سرکاری بلک بورڈوں کو استعمال کیا گیا اور آئندہ یہ کام زیادہ اچھے انداز میں کرنے کے لئے آغا خان بورڈ کے ذمے لگایا گیا ہے۔"

اس سال نصاب سے جن اسباق کو نکالا گیا ہے اور ان کی جگہ جن اسباق کو شامل کیا گیا اس پر بھی ایک نظر ڈالی جائے تو ان حکمرانوں کی ذہنی پستی اور ایجنڈے کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اس سال نصاب سے جن اسباق کو نکالا گیا ہے اور ان کی جگہ جن اسباق کو شامل کیا گیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

ساتویں کلاس کی اردو کی کتاب میں کی گئی تبدیلیاں

نکالے گئے اسباق	تبدیل کئے گئے اسباق
حضرت عائشہؓ	اردو زبان کی کہانی
ملی ترانہ	جادو کی مشعل
فتح مکہ	زیارت کی سیر
اکبرالہ آبادی	ابتدائی طبی امداد
ہمارے اسلاف	آؤ خط لکھیں
باباشکر گنجؒ	شہر نے کہا گاؤں نے کہا
قومی پرچم کے آداب	مکڑا اور مکھی (نظم)
پاکستانی بچے (نظم)	ہم نے سائیکل خریدی
علامہ اقبالؒ	دیہاتی عورت
علم	جب وہ نرس بنی

چھٹی کلاس کی اردو کی کتاب میں کی گئی تبدیلیاں

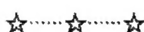
نکالے گئے اسباق	تبدیل کئے گئے اسباق
اسلام کا پہلا تیر انداز	صبح سویرے
حضرت خدیجہؓ	کسٹم آفیسر
رحم دلی کا صلہ	گوادر ایک اہم تجارتی بندرگاہ
انوکھی جنگ	لندن سے ایک خط
شمس العلماء (مولوی نذیر احمد)	میری ڈائری
شہید وطن	ڈزنی لینڈ کی سیر
مولانا ظفر علی خانؒ	مفید عمل
سید احمد شہیدؒ	فٹ بال
کوہ صفا پر حضورؐ کا قریش سے خطاب	
صلاح الدین	

دوسری طرف ملک کا میڈیا بالخصوص الیکٹرانک اور بڑے ابلاغی ادارے اور ان کے پرائیویٹ ٹی وی چینلز ہماری تہذیب و ثقافت اور معاشرتی اقدار پر حملہ آور ہے۔ ان کے ذریعے ثقافتی حملے ہو رہے ہیں۔ میڈیا کے ٹاک شوز ہوں یا ڈرامے، خبریں ہوں یا گانے سب کا رُخ، ایجنڈا اور ہدف ایک ہے یعنی مسلم معاشرے کو مغربی تہذیب کے رنگ میں رنگنا دراصل حالات و واقعات کو امریکی سامراجی نقطۂ نظر سے بیان کرنا یا چھپائے رکھنا یا غلط فہمی پھیلانا ہے۔

ان سطور میں مختصراً ان سازشوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس کا عمیق جائزہ لینے کی ضرورت ہے جو پاکستان کو سیکولر ریاست میں تبدیل کرنے کے لئے کی جا رہی ہیں۔

گہرائی اور تاریخی حوالے کے ساتھ سیکولرازم، آغا خانیوں کی ریشہ دوانیوں اور آغا خان تعلیمی بورڈ کو سمجھنے کے لئے چند مضامین کو ایک کتاب کی صورت میں جمع کیا گیا ہے۔ اس وقت ضرورت اس امر کی ہے کہ دشمن کی چالوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اس کے بارے میں مکمل معلومات اور ادراک ہونا چاہئے، کیونکہ وہ ہم پر حملے چاہے میڈیا کے ذریعے ہو یا نصاب میں تبدیلی کے ذریعے، وہ ہماری کمزوریوں کوتاہیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے وار کررہا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اندھیرے میں تیر چلانے کے بجائے ہدف پر ہی تیر چلایا جائے تاکہ وسائل ضائع نہ ہوں۔

ادارہ مطبوعات طلبہ، کراچی



سیکولرازم، مقاصد واہداف

ریاض احمد

لادینیت یا سیکولرازم اپنے نتائج کے اعتبار سے اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ آج ہمارے لئے اس پر ازسرنو غور کرنا، اس کے عواقب و نتائج سے باخبر رہنا اور اپنی تمام تر توانائیاں مجتمع کر کے اس کے مقابل کھڑے ہونا ناگزیر ہو چکا ہے۔

سیکولرازم کیا ہے؟

سیکولرازم (Secularism) کے معنی اردو میں لادینیت کے ہیں اور ڈکشنری آف ماڈرن ورلڈ میں اس کی تعریف یہ کی گئی ہے:

دنیوی روح یا دنیوی رجحانات وغیرہ بالخصوص اصول و عمل کا ایسا نظام جس میں ایمان اور عبادت کی ہر صورت کو رد کردیا گیا ہو۔ یہ عقیدہ کہ مذہب اور کلیسائی امور کا امور مملکت اور تربیت عامہ میں کوئی دخل نہیں ہے۔ (۱)

• اور نیوتھرڈ ورلڈ ڈکشنری میں سیکولرازم کی تعریف کرتے ہوئے یہ وضاحت کی گئی ہے۔ زندگی یا زندگی کے خاص معاملے سے متعلق وہ رویہ جس کی بنیاد اس بات پر ہے کہ دین یا دینی اعتبارات کا حکومت میں دخل نہیں ہونا چاہئیے، یا دینی اعتبارات کو نظام حکومت سے قصداً دور رکھنا چاہئیے، جس سے مراد مثلاً حکومت میں خالص لادینی سیاست ہے اور دراصل یہ اخلاق کا ایک اجتماعی نظام ہے جس کی اساس اس نقطۂ نظر پر ہے کہ معاصر زندگی اور اجتماعی وحدت ایسے عمل اور ایسی اخلاقی اقدار پر قائم ہو جس میں دین کا کوئی دخل نہ ہو۔ (۲)

۱۔ یوسف القرضاوی/ اسلام اور سیکولرازم/ اسلام آباد، عالمی ادارہ فکر اسلامی، ۱۹۹۷ء/ص ۵۰/ اسلام کی اخلاقی صورتحال/ اسرار عالم

حقیقت یہ ہے کہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار کے الفاظ میں ''سیکولرازم ایک ایسی اجتماعی تحریک کا نام ہے، جس کا اصل ہدف لوگوں کی توجہ امور آخرت کے اہتمام سے ہٹا کر صرف دنیا کو ان کی توجہ کا مرکز بنانا تھا، کیونکہ قرونِ وسطٰی میں لوگ دنیا سے کنارہ کشی کا شدید رجحان رکھتے تھے اور دنیا سے بے رغبت ہوکر خدا اور آخرت کی فکر میں منہمک رہتے تھے، اس رجحان کے بالمقابل انسانی جذبے اور رجحان کے بروئے کار لانے کے لئے سیکولرزم وجود میں آیا اور دورِ نشاۃ ثانیہ میں لوگوں نے انسانی اور ثقافتی سرگرمیوں اور دنیا کے مرغوبات کے حصول میں زیادہ دلچسپی کا اظہار شروع کر دیا، سیکولرزم کی جانب یہ پیش قدمی تاریخ جدید کے تمام عرصے میں دین (مسیحیت) سے متضاد تحریک کی حیثیت میں آگے بڑھتی اور ارتقاء حاصل کرتی رہی''۔ (۳)

گویا کہ سیکولرازم بنیادی طور پر زندگی کے ہر میدان میں مذہب کی مکمل نفی بلکہ مخالفت کا نام ہے۔

☆......☆......☆

لارڈ کرومر نے جس کی حیثیت مصر کے وائسرائے کی تھی، ۱۹۰۸ء میں اپنی پالیسی بیان کرتے ہوئے کہا تھا:

England was prepared to grant political freedom to all her colonial possessions as soon as a generationof intellectuals and politicians imbued through English education with the ideals of English culture were ready to take over, but under no circumstances would the British Government for a single moment tolerate an independent Islamic state. (Lord Cromer, In Modern Egypt, 1908) (۴)

انگلستان اپنی تمام نوآبادیات کو سیاسی آزادی دینے کے لئے تیار ہے کہ جیسے ہی

۳۔ اسلام اور سیکولرازم/ص ۱۵۱۔ ۴۔ ایضاً/ص ۵۰

دانشوروں اور سیاست دانوں کی ایسی نسل تیار ہو جائے جن کے اندر انگریزی تعلیم رچی بسی ہو، وہ انگلش کلچر کا مثالی نمونہ ہوں اور حکومت کے حصول کے لئے تیار ہوں، لیکن انگریز حکومت کسی حالت میں ایک لمحے کے لئے بھی آزاد اسلامی ریاست کو برداشت نہیں کر سکتی۔

اور اب حال میں ایک رپورٹ سامنے آئی ہے، اس کے بھی چند اقتباسات ملاحظہ کیجیے، افغانستان میں امریکی سفیر کی حیثیت سے شہرت پانے والے زلمے خلیل زاد کی آسٹریلین یہودی اہلیہ شرل بنارڈ نے کیلی فورنیا میں قائم ایک تھنک ٹینک رینڈ کارپوریشن کے تحت شہری جمہوری اسلام (Civil Democratic Islam) کے عنوان سے ایک رپورٹ جاری کی ہے، اس رپورٹ کے چند حصے ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں:

قرآن میں یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں مخالفانہ اور اشتعال انگیز احکام موجود ہیں، تاہم بعض مقامات پر ان کے لئے نرم احکامات بھی موجود ہیں، تاریخ میں اسلامی برادری مذکورہ قوموں سے حالتِ جنگ میں مبتلا رہی ہے۔

ہمیں سب سے پہلے جدیدیت پسند قیادت کو آگے لانا ہوگا، لیڈروں کے لئے رول ماڈل بنانا ہوگا۔

دوسرے مرحلے پر ہمیں اسلامی دنیا میں جمہوری معاشرے (سول سوسائٹی) کے فروغ کے اقدامات کی کوشش کرنی ہوگی، اس مقصد کے لئے مقامی غیر سرکاری تنظیموں اور دیگر شہری اداروں کو آگے لانا ہوگا، کیونکہ کسی بحرانی صورتحال میں انہی میں سے ایک جمہوری قیادت اُبھر سکتی ہے۔

ہمیں امریکی جرمن اور مغربی اسلام کو فروغ دینا ہوگا، اس مقصد کے لئے افہام و تفہیم کی ضرورت پڑے گی، ہمیں ہر صورت میں بنیاد پرستوں کی کھل کر مخالفت کرنی ہوگی۔

اس مقصد کے لئے ہمیں عرب صحافیوں کی حوصلہ افزائی کرنی ہوگی تاکہ وہ بنیاد پرستوں کی ذاتی زندگیوں اور عادات کے بارے میں کھل کر رپورٹنگ کر سکیں، ان بنیاد پرستوں کی سفاکیوں کو بے نقاب کرنا پڑے گا۔ ہمیں ایک معتدل اور خوشنما اسلام کے بارے میں پروپیگنڈا کرنا چاہئے اور اس حوالے سے ہر اس ملک،

Jewish conspiracy and the muslim world 1415 Misbah-al-Islam Faroqi, P2

خطے اور گروپوں کی حوصلہ افزائی ہونی چاہئے، جو اس مقصد کے لئے تعاون کرے۔

اسکولوں میں نصاب میں جمہوری اسلام کے پیغام کو نمایاں کر کے شامل کیا جائے، بنیاد پرستوں نے مسلم ممالک میں تعلیم کے شعبے پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے کی زبردست کوشش کر رکھی ہے، ہمیں یہاں اپنے قدم جمانے ہوں گے، ہمیں تعلیم اور نوجوانوں پر بھرپور توجہ مرکوز کرنی ہوگی، ہمیں بنیاد پرستوں کے تضادات کو نمایاں کر کے سامنے لانا ہوگا، جدت پسند عناصر کو سامنے لانا ہوگا۔

ہمیں انتہائی چنیدہ سیکولر عناصر کی بھرپور مدد کرنی پڑے گی، ہمیں بنیاد پرستوں کو ایک دشمن کے طور پر سامنے لانا ہوگا۔

ہمیں اس بات کی حمایت کرنی ہوگی کہ اسلام میں مذہب اور ریاست کا آپس میں کوئی تعلق نہیں اور یہ الگ الگ ہیں، نیز اس بات کو ماننے سے ایمان پر کوئی حرف نہیں آتا۔ (۵)

ان اقتباسات کی روشنی میں کیا یہ بات واضح نہیں ہو جاتی کہ جدت پسندی، اعتدال اور رواداری کے خوشنما عنوانات کے تحت فکری، علمی اور عملی سطح پر کام کرنے والے حضرات اور تنظیموں کے فکری منابع اور اغراض و مقاصد کیا ہیں؟ اور درحقیقت یہ ساری تگ و دو سیکولرازم کے فروغ اور اس کی ترویج و اشاعت کے لئے ہے، یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ہمارے نزدیک سیکولرازم کا موجودہ ہدف محض مذہب نہیں اسلام ہے۔

☆......☆......☆

درحقیقت نفس پرستی سیکولرازم کا ایک اہم مظہر ہے، بلکہ سیکولرازم سے غذا پانے والے ہر ذہن کی زندگی اسی کے گرد گھومتی ہے، یہی نکتہ سیکولرازم کی بنیاد بھی ہے، یعنی خدا کو چھوڑ کر مادے کو سب کچھ مان لینا اور مادہ نفس پرستی کا سبب اور ذریعہ ہے، دورِ جدید کے سامانِ تعیشات اسی نفس پرستی کے لوازم ہیں، دورِ جدید کی تہذیب جسے ہم لادینی یا سیکولر تہذیب بھی کہہ سکتے ہیں، لذت اور مادیت کے ہی گرد گھومتی ہے، اس بنا پر عورت اس بازار کی سب سے سستی متاع ہے اور سامانِ تعیش گویا معراج زندگی، اعاذنا اللہ منہ، مسلمانوں سے اس وقت جو اس بالا دست

---

www.rand.org

تہذیب کا مطالبہ ہے وہ یہ ہے کہ پہلے مرحلے پر وہ اپنے اعتقادی معاملات کو برقرار رکھتے ہوئے عملی طور پر اخلاقی مسائل میں ان کے ہم خیال ہوجائیں، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ پھر دوسرا مرحلہ زیادہ مشکل نہیں رہے گا، دراصل اسلام میں رخنہ اندازی کا اس سے آسان کوئی راستہ نہیں ہے کہ اہلِ اسلام کو ان کی اخلاقی اقدار اور تہذیبی روایات سے لاتعلق کردیا جائے، ویلنٹائن ڈے، بسنت کا تہوار، موسیقی کا طوفان، کیبل اور سیلولر فون کے ذریعے نوجوانوں کی خالص مغربی انداز کی تربیت یہ سب اس حکمت عملی کے محض چند مظاہر ہیں، اُمتِ مسلمہ اس حوالے سے مکمل بحرانی کیفیت اور مسلسل حالت جنگ میں ہے، افسوس یہ ہے کہ یہ جنگ یک طرفہ طور پر جاری ہے، ادھر سے کوئی مدافعت کرنے والا بھی نظر نہیں آتا، لیکن ہمیں یہاں اپنے ان بھائیوں سے جو بغیر سوچے سمجھے محض میڈیا کے دباؤ میں آکر اور حالات کی رو میں بہتے ہوئے اس تہذیبی یلغار کے نتیجے میں اپنی اخلاقی روایات سے دستبردار ہوتے چلے جارہے ہیں، یہ کہنا ہے کہ لادینیت اصل میں مادیت کا لازمہ ہے، یا یوں کہئے کہ یہ دونوں لازم وملزوم ہیں اور مادیت کم ازکم انسان کو اس کی اصل متاع اور سب سے اہم خواہش سکون واطمینان دینے میں ناکام ہوچکی ہے، پھر اس سراب کے پیچھے بھاگنے میں کیا حاصل؟ اگر آپ نے پورا دن جینز پہن کر برگر کھا کر حلال و حرام ہر طرح سے دولت سمیٹتے ہوئے گزار لیا اور رات دن کا ابتدائی حصہ اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ ڈسکو کلب میں گزارتے ہوئے زندگی کے پرمسرت لمحوں کو انگیز کرلیا، مگر جب نصف شب کے بعد بستر پر سونے کے لئے لیٹے تو چند گھنٹے سونے کے لئے دوائیوں کا سہارا لینا پڑے تو اس جدیدیت، ترقی اور طرح طرح کے سامان تعیش کا کیا فائدہ؟ جبکہ اس چند روزہ زندگی کے بعد والا حصہ تو ابھی ہماری نگاہوں سے یکسر اوجھل ہی ہے۔

پروفیسر ٹوائن بی نے عرصہ پہلے اپنے مشاہدے اور مطالعے کا نچوڑ ان الفاظ میں پیش کیا تھا۔

پوری تاریخ سے مجھے ایک ہی سبق ملتا ہے، یہاں کوئی چیز دنیاوی کامیابی سے بڑھ کر

ناکام نہیں، اکیس تمدنوں کے مطالعے کے بعد میرا اس بات پر پختہ یقین ہوگیا ہے کہ تمدن اسی وقت تک صحت مند رہتے ہیں جب تک ان میں تخلیق کی صلاحیت برسرعمل رہتی ہے، ہماری سائنسی ترقیات صنعتی دور کے چیلنج کا ایک تخلیقی جواب تھیں اور ایک نہایت ہی عمدہ جواب، لیکن جو مسائل ہمیں درپیش ہیں وہ اس نوعیت کے نہیں کہ ان کا جواب تجربہ گاہوں سے دیا جائے، یہ اخلاقی مسائل ہیں اور سائنس اخلاق کے دائرے میں کوئی دخل نہیں رکھتی، اپنے مسائل کو خالص مادی تدابیر سے حل کرنے کی ہماری حالیہ مساعی بداہتاً ناکام ہوچکی ہیں اور ہمارے تمام بلند بانگ دعوے محض مذاق بن کر رہ گئے ہیں، اپنی معاشرتی بیماریوں کو خدا کے بغیر حل کرنے کے نتائج ہمارے سامنے آچکے ہیں۔(۶)

سیکولرازم اور اسلام:

سیکولرازم کی اٹھتی ہوئی لہر نے بڑی حد تک مسلم ممالک پر اپنے اثرات مرتب کئے ہیں۔لیکن اپنی تمام تر کوششوں کے باوجود اسلام کی اساس اور اہلِ اسلام کے دلوں سے اسلام کو نکالنے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ اگرچہ حکمران ٹولہ اسلام سے دور ہوگیا۔لیکن انتخابی مراکز میں اسلام بدستور قائم رہا۔اس کی واضح مثالیں ترکی اور مصر ہیں۔ کمال اتاترک جو کہ سیکولرازم کا چیمپئن تصور کیا جاتا ہے۔ اس نے حکومت اسلامیہ کو ختم کرکے جدید اور سیکولر ترکی کی بنیاد رکھی۔ خون کا دریا عبور کرکے پورے زور اور قوت کے ساتھ لادینیت کو مسلط کیا۔ جبر و تسلط کے ساتھ سیاست، اقتصاد، اجتماع، تعلیم، ثقافت غرض کہ زندگی کے ہر پہلو میں مغربی طرزِ حیات کو جاری کردیا۔ غرض اتاترک نے ترک قوم سے اس کی ثقافت، اس کی اقدار اور اس کی روایات اس طرح سلب کرلیں، جس طرح ذبح شدہ بکری کی کھال کھینچی جاتی ہے۔ کمالی انقلاب نے "لادینیت" کو حکومت اور جدت پسندی کی بنیاد بنایا۔ جس کا مطلب یہی تھا کہ اسلام زندگی سے نکل کر صرف دین داروں کے سینوں میں بند ہوکر رہ جائے۔تو کیا

پروفیسر خورشید احمد/اسلامی نظریہ حیات/کراچی،شعبہ تصنیف وتالیف وترجمہ جامعہ کراچی ۱۹۹۳ء/ص ۱۰۲

اتاترک اور اس کے جانشین دستور و قانون کی تعلیم و ابلاغ، پولیس اور افواج کی مدد، مغرب کے مکمل تعاون اور ساری قوت و جبر کے استعمال کے باوجود ترک قوم کے دلوں سے اسلامی افکار، اسلامی احساسات اور اسلامی اقدار کو نکال دینے میں کامیاب ہو سکے......؟

اس مقام پر فرانسیسی اخبار لاموںڈ ڈپلومیٹک کی ۱۸ جنوری ۱۹۸۳ء کی اشاعت میں شائع ہونے والے ایک مضمون کا حوالہ دینا چاہوں گی جو کہ ترکی کی اسلامی بنیاد اور اس کی مغربیت کے درمیان موازنے سے متعلق ہے اور جسے جرمنی کے شہر آخن سے شائع ہونے والے ''الرائد'' نے نقل کیا ہے۔ اخبار لکھتا ہے۔

ترک معاشرے کو مغربی رنگ میں رنگ دینے کی دوصدی پر حاوی سعی و کوشش اور لادینیت کی حکمرانی کے پچاس سال بعد ترکیہ میں نئے سرے سے اسلامی مملکتوں کے دور اول کی سیاست، دین کی یکجائی کی لہریں اُٹھ رہی ہیں۔ یہی حال مصر کا بھی ہے۔ جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ سیکولر ازم اور اس کے حامیوں کی اسلام کو کچل دینے کی تمام تر کوششیں ناکام ہو چکی ہیں اور نہ ہی کسی بھی اسلامی ملک میں سیکولر ازم کو فروغ مل سکتا ہے۔

مغربی جرمنی کے شہر کولون شمسلر الفا تجلر لکھتا ہے۔ ترکیہ اور ایران میں ظاہر ہونے والے حالیہ واقعات مصر اور دیگر ممالک میں اسلامی سرگردی کا اعادہ اس بات کی دلیل ہے کہ مشرق وسطیٰ میں اصل کردار بڑی طاقتیں اور ان سے وابستہ حکومتیں نہیں انجام دے رہیں، بلکہ صرف اسلام دے رہا ہے۔

دین اسلام اس بات سے بہت بلند اور اشرف و اعلیٰ ہے کہ اسے کسی وقتی فائدے کے حصول کا ذریعہ بنایا جائے اور پھر وہ مقصد پورا ہوتے ہی اس کا قلادہ گردن سے نکال پھینکا جائے۔ دین تو ہستی کا جوہر، زندگی کی روح اور ہمیشگی کا راز اور بذات خود مطلوب و مقصود ہے۔ قوموں کو اُبھارنے اور ان میں زندگی کی حرارت پیدا کرنے اور انہیں بڑے بڑے کاموں کے لئے تیار کرنے میں دین اپنا کردار اس وقت ادا کرتا ہے جب کوئی قوم اپنا اصل مقصد اور حقیقی قدر و قیمت کا احساس اس کے (قوم) رگ و ریشے میں بساتا ہے۔ تب دین قوموں کی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے۔ جبکہ سیکولر ازم یہ چاہتا ہے کہ اگر اسلام موجود ہو تو کسی کونے میں پڑا رہا اور عملی زندگی سے اس کا کوئی تعلق نہ ہو اور اگر ہو بھی تو بس اتنا ہو کہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر کبھی

کبھی کوئی دینی گفتگو نشر ہو جائے۔ جمعہ کے روز اخبار میں دینی صفحہ شامل ہو جائے۔ تمام نظامِ تعلیم میں ایک پیریڈ دینی تعلیم کا مقرر کر دیا جائے۔ سرکاری قوانین کے مجموعہ میں ایک حصہ اسلام کے شخصی قوانین کا رکھ لیا جائے۔ معاشرے کے بے شمار اداروں میں ایک مسجد بھی تعمیر کر دی جائے اور نظامِ حکومت میں ایک وزارت اوقاف بھی قائم کر دیا جائے۔ سیکولرازم کے حامی کہتے ہیں کہ اسلام کو چاہئے کہ لادینیت کا شکر بجا لائے کہ اس نے اسلام کو محراب و منبر سے اتنا سرا اوپر اُٹھا کر باہر جھانکنے کی اجازت دی! مگر خود اسلام کا مزاج یہ ہے کہ زندگی کے صرف ایک گوشے میں یا ایک پہلو پر قناعت نہیں کرسکتا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ گھر سارا لادینیت کے حوالے ہو اور اس گھر میں اسلام کی حیثیت مہمان کی ہو۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے اسلام اور لادینیت میں تصادم شروع ہوتا ہے اور زندگی کے ہر شعبے میں جاری رہتا ہے۔ خصوصاً عقائد و عبادات، اخلاق و قانون سازی کے شعبوں میں، کیونکہ اسلام کے آنے کا مقصد ہی یہ ہے کہ ان شعبوں کو صحیح خطوط پر استوار کیا جائے اور ان سے متعلق تمام ضروری احکام اور ہدایت تفصیل کے ساتھ لوگوں کے سامنے رکھ دی جائے۔ ان تمام حقائق کے باوجود یہ عقیدہ واضح ہو جاتا ہے۔ دنیائے اسلام میں سیکولرازم یعنی لادینیت کی کوئی گنجائش نہیں۔ کسی بھی منطق اور دلیل سے اسے درست قرار نہیں دیا جاسکتا۔ خواہ دین کا معیار ہو یا مصلحت کا معیار ہو یا جمہوریت کا معیار کسی بھی معیار پر سیکولرازم کو درست قرار نہیں دیا جاسکتا۔ لادینیت پسند جو شبہات پیدا کرتے ہیں وہ بلا جواز ہیں۔



نظریۂ پاکستان سے عاری تعلیم خود پاکستان کی نفی ہے!

سید شاہد ہاشمی

پاکستان نہیں بنا تھا تو جنوبی ایشیا (موجودہ پاکستان' بنگلہ دیش' بھارت' کشمیر) کے دس کروڑ مسلمانوں کو ایک ملت' ایک قوم' ایک Nation سمجھا جاتا تھا' جسے اپنے لیے ایک وطن کی تلاش تھی۔ ۱۹۴۷ء میں انہیں ایک ''قومی وطن'' (Nation State) مل گیا۔ (''قومی وطن'' کے پورے تصور پر الگ سے بات ہوسکتی ہے' لیکن یہاں اس کا موقع نہیں)۔ مسلمانوں کا یہ وطن اُس وقت کے مسلمانوں کی نصف تعداد ہی کو اپنے اندر سمو سکا۔ بقیہ نصف مسلمان بھارت میں رہ گئے۔ لیکن ان کو بھی مسلمانوں کے نئے ملک سے بڑی امیدیں تھیں۔ وہ پاکستان کو اسلامی مملکت اور عہدِ حاضر میں اسلامی حیاتِ اجتماعی کی ایک زندہ و کامیاب تجربہ گاہ دیکھنا چاہتے تھے۔ وہ جنوبی ایشیا کی ملتِ اسلامیہ کی عظیم جدوجہد کے نتیجے میں حاصل ہونے والے اس نئے ملک کو ملّی امنگوں کا آئینہ دار اور تمام مظلوم مسلمانوں کا پشتیبان سمجھتے تھے۔ لیکن ہوا کیا؟

جب یہاں قوم اور ملت تھی' تو اُس کا وطن نہیں تھا۔ لیکن جب اسے وطن مل گیا' تو وہ ملت اور قوم گم ہوگئی۔ پاکستان بننے کے بعد یہاں علاقائی' صوبائی' نسلی' لسانی اور سماجی شناخت تو ابھر آئی' بلکہ خوب خوب ابھاری گئی' لیکن جس منفرد شناخت (''مسلمان'' ہونے) کے سبب دو بازوؤں پر مشتمل پاکستان حاصل کیا گیا تھا' وہی شناخت تحلیل ہوگئی۔ آج بہت سے لوگ ''پاکستانی'' بننے پر زور دیتے ہیں' اس کے گانے اور ڈرامے بھی نشر کیے جاتے ہیں تاکہ ہم پاکستانی بنیں۔ لیکن بن نہیں پاتے۔ اس کا سیدھا سادا سبب یہ ہے کہ جو پاکستان ایک سیاسی و جغرافیائی وحدت کے طور پر وجود میں آیا تھا' وہ درحقیقت کسی خطۂ زمین' کسی قبیلہ' کسی

نسل کا نام نہیں تھا اور نہیں ہے۔ اس کے برعکس یہ ایک تخیل' ایک خواب (Vision)' ایک نظریہ' ایک مقصد' ایک مشن' ایک تحریک تھا اور آج بھی ہے۔ گویا یہ روح ہے' روحِ سفر ہے' جو اپنے قالب ''ملکِ پاکستان'' کی صورت میں ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو جلوہ گر ہوئی تھی۔ روح کو نظر انداز کر کے محض قالب میں زندگی دوڑائی نہیں جا سکتی' نہ اِس جسم سے محبت کے جذبات ابھارے جا سکتے ہیں۔

ہم پاکستان کو اسلامی نظریۂ حیات اور اسلامی تہذیب کے سفر کا ایک پڑاؤ بھی کہہ سکتے ہیں۔ جہاں سے دنیا بھر میں یہ پیغام پھیلنا تھا اور جسے پوری انسانیت کے لیے نمونہ بننا تھا۔ لیکن المیہ یہ ہوا کہ پاکستان کی باگیں پچھلے تمام عرصے میں اُن لوگوں کے ہاتھوں میں رہیں جو روحِ پاکستان (اسلام) سے بے پروا' بے نیاز اور بعض صورتوں میں اس سے بے زار بھی تھے۔ جو اِسے ایران' ترکی' مصر' بھارت' برطانیہ' جرمنی' فرانس اور جاپان کی طرح کا ایک ملک' ایک ''قومی وطن'' (Nation State) سمجھتے تھے۔ وہ یہ بات بھول چکے تھے کہ ''پاکستان'' کی کوئی ''جڑ'' نہ علاقہ میں ہے' نہ جغرافیہ میں' نہ نسل میں' نہ قبیلہ میں۔ ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء سے قبل نہ کوئی ملکِ ''پاکستان'' کبھی رہا ہے اور نہ کوئی ''پاکستانی'' قوم رہی ہے۔ یہاں بنگالی تھے' پنجابی اور سندھی تھے' پٹھان اور بلوچ تھے' کشمیری اور آرائیں تھے' جاٹ اور گجر تھے' مری اور بگٹی تھے' میمن اور سیّد تھے۔ صدیوں سے یہ ان کی شناخت تھی اور اس سے اوپر' شعوری اور اس سے زیادہ بالا ئے شعور کی سطح پر وہ مسلمان بھی تھے۔ تحریکِ پاکستان نے اِن مختلف النسل' مختلف اللسان اور مختلف المزاج آبادیوں کو اسلامی وحدت میں پرو دیا تھا۔ اِنہیں یکجان کر دیا تھا۔ یہ تمام دانے اسلامی تسبیح میں گندھ گئے تھے۔ اسی یکجہتی و یکجائی نے' اسی وحدتِ فکر و نظر نے' اسی ایک ملّی نصب العین اور جدوجہد کی ایک متعین منزل نے جنوبی ایشیا کے دس کروڑ مسلمانوں کو وہ قوت و شوکت دے دی جس نے فرنگی آقاؤں کی استعماریت کو اور دیسی کانگریسی عیاریوں کو شکست سے دوچار کر دیا۔

پاکستان بن جانے کے بعد ''مسلمان'' شناخت' یا زیادہ بہتر الفاظ میں اسلامی شناخت اور بنیاد تو بے معنی' بے وقعت' بے حقیقت' بے وزن اور بے جان کر دی گئی۔ اس سے کم تر درجے پر ''پاکستانی'' شناخت کو سرکاری سطح پر اور رسمی انداز میں قائم کرنے کی کوشش ہوئی اور وہ بھی اسلامی روح سے بے گانہ کر کے' گویا یہاں ''سیکولر پاکستانی'' شناخت کے کاغذی پھول

کھلائے گئے۔ نتیجتاً وہی ہوا' جو ہو سکتا تھا۔ جو بیج لگایا گیا' اسی کے پودے اُگے اور وہی فصل لہلہانے لگی۔ ریاست کے آئینی نظام کو ''قراردادِ مقاصد'' کے ذریعہ کلمۂ اسلام پڑھوا کر مسلمان تو بنا لیا گیا' جیسے بیرونِ ملک مقیم پاکستانی نوجوان کسی جاپانی' یورپی یا امریکی خاتون کو جب اپنی منکوحہ بنانا چاہتے ہیں تو کسی اسلامک سینٹر میں لے جا کر اس سے ''کلمۂ طیبہ'' پڑھوا لیتے ہیں۔ لیکن اس کے بعد کیا ہونا چاہیے' اس سے نہ مذکورہ پاکستانی نوجوانوں کو کوئی غرض ہوتی ہے اور نہ ہمارے ملک کی ہیئتِ مقتدرہ (Establishment) اور طبقاتِ عالیہ (Elite Class) کو اس کی کوئی فکر ہوئی۔

پاکستان بننے کے بعد حکومتی ایوانوں اور پالیسی سازی کے مراکز میں چاہے روحِ پاکستان سے بے خبر' بے پروا اور بے زار لوگوں کا قبضہ رہا ہو' مگر سچی اور مخلصانہ دینی حمیت' دینی فکر اور دینی جذبہ رکھنے والی شخصیات اور گروہوں سے یہ ملک کبھی خالی نہیں تھا۔ بلکہ وقت کے ساتھ ساتھ ایسے افراد اور گروہوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا اور ان کی مسلسل اور انتھک مساعی نے طبقاتِ عالیہ اور ہیئتِ مقتدرہ کو مجبور کیے رکھا کہ وہ اپنی بے دینی یا بد دینی پر کوئی پردہ' کوئی چلمن' کوئی نقاب ہی ڈالے رکھیں۔ خمارِ عشرۂ ترقی کے مخمور فیلڈ مارشل محمد ایوب خان' شرابِ خانہ خراب کے نشے میں دُھت جنرل آغا محمد یحییٰ خان اور مے نخوت سے سرشار ذوالفقار علی بھٹو بھی اس دباؤ سے آزاد نہیں تھے۔ ان تینوں نے بھی اس ملک کو ''اسلامی جمہوریہ'' کہنے اور کہلوانے سے انکار نہیں کیا۔ دکھاوے کو اور مجبوراً ہی سہی' چند علامتی اسلامی اقدام اور امور مذکورہ بالا ادوارِ حکومت میں بھی اختیار کیے گئے۔ گویا پاکستان میں حکومتی و ریاستی پالیسی کے طور پر اور ہیئتِ مقتدرہ (Establishment) اور طبقاتِ عالیہ (Elite Class) کی سطح پر نظامِ مملکت کی اسلام سے وابستگی اور ریاست کے ''اسلامی'' ہونے کا قضیہ طے پا گیا تھا۔ چاہے عملاً یہ سب کچھ بے روح ہو' مگر چھیانوے ستانوے فیصد مسلمانوں کے ملک کو دو چار فیصد اقلیتوں کی نام نہاد خواہش کے ''احترام'' میں کمالائز (Kamalize) نہیں کیا گیا تھا' جیسا کہ اب کیا جا رہا ہے۔

ترکی کا مصطفیٰ کمال پاشا (نام نہاد اتاترک) تو دُونمے تھا۔ (ترکی میں دُونمے وہ یہودی کہلاتے ہیں جنہوں نے عثمانی دورِ حکومت میں بظاہر اسلام قبول کر لیا تھا اور مسلمان ہونے کے تمام فوائد سمیٹ رہے تھے' لیکن اندر سے جنہوں نے اپنی یہودیت برقرار رکھی تھی

اور اپنی اولاد کو چپکے چپکے یہ بتائے اور سمجھائے رکھتے تھے کہ ہم یہودی ہیں' مسلمان نہیں)۔ لیکن ہمارے ملک میں کیا ہو رہا ہے؟ ایک بزعمِ خود ''سید زادہ'' اقتدار پر قابض ہو کر ڈونمے کمال پاشا کو اپنا آئیڈیل اور ہیرو قرار دے کر وہی راستہ اختیار کرنے کی کوشش کر رہا ہے' جو اس کے ''شیخ'' نے پچھتر سال پہلے ترکی میں اپنایا تھا۔ یہ کیسی بدقسمتی ہے کہ آج ریاستی وحکومتی سطح پر' پالیسی سازی اور حساس دائروں میں اور ملک کی ہیئتِ مقتدرہ کے اندر' اسلام کے نام پر حاصل کیے گئے اِس ملک کو سیکولر بنانے' سیکولر قرار دینے اور دین کو ''چرچ'' کی طرح حیاتِ اجتماعی سے بے دخل کر دینے کی مربوط' منظم' موثر اور متواتر کوششیں ہو رہی ہیں۔ پاکستان کو بھارت کی طرح کا ایک ''وطن'' بنایا جا رہا ہے۔ جہاں رہنے والے اتفاقاً یہ کہ ''مسلمان'' بھی ہیں۔کوئی یہ نہیں سوچتا کہ پاکستان کی آبادی سے زیادہ مسلمان تو بھارت میں ہیں۔ پاکستان کو سیکولر بنانے کی کوشش دراصل اس فکر کو تقویت دینے کے مترادف ہے جس کے مطابق ''بہتر ہے کہ پورا جنوبی ایشیا ایک ہی سیاسی وحدت ہو۔ اگر یہاں کے تمام مسلمانوں کی تعداد ایک دوسرے میں شامل ہو جائے گی تو مجموعی طور پر مسلمانوں کا تناسب بڑھ جائے گا۔ آج پوری دنیا میں عالمگیریت کی لہر دوڑ رہی ہے۔ پھر کیا ضروری ہے کہ جنوبی ایشیا میں الگ الگ ملک ہوں؟ ایک ہی متحدہ ہندوستان (وِشال بھارت یا اکھنڈ بھارت) کیوں نہ ہو؟ بہت سا حکومتی پیسہ یہاں الگ الگ ریاستیں ہونے کے سبب خواہ مخواہ خرچ ہو رہا ہے۔ یہ بچ جائے گا اور ملک کے عوام کی خوشحالی پر خرچ ہو گا''۔

یہ بھی کیسا اتفاق ہے کہ مارچ ۲۰۰۵ء کے ایک ہی دن کے اخبارات میں دو ایسے بیانات چھپے ہیں جو اپنی روح اور پیغام میں یکساں ہیں۔حکومتِ پاکستان کے ایک وزیرِ مملکت نے (جو اپنے دورِ طالبعلمی میں تحریکِ اقامتِ دین کے دامن گرفتہ تھے) یہ بیان دیا ہے کہ سوویت یونین کو ''ہالی ووڈ'' نے فتح کیا ہے۔ دوسری طرف بھارتی وزیراعظم نے کہا ہے کہ پاک بھارت دوستی اور ملاپ میں ''ہالی ووڈ'' اور کرکٹ نے بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ یہ دونوں باتیں دراصل ایک ہی فکری نہج' ایک ہی پالیسی' ایک ہی حکمتِ عملی' ایک ہی مقصد اور ایک ہی نتیجہ کا اپنی اپنی سطح پر بے باکانہ اظہار ہیں۔ ہماری ہیئتِ مقتدرہ کی سوچ اور پالیسی کے تحت اس وقت جو عمل جاری ہے' اس کا حاصل یہی کچھ ہونا ہے۔مگر کیا یہ ایک بدیہی حقیقت نہیں کہ اس سب کچھ کے باوجود بھی اگر ملکِ پاکستان کو (کسی عالمی اسکیم کے تحت) ایک الگ سیکولر

ملک بنا کر رکھنا پیشِ نظر ہے' تو یہ محض ایک خیالِ خام ہے یا پھر ایک گہری سازش۔ پاکستان کو اسلام سے جدا کر کے قائم رکھنے اور چلانے کا خیال و عمل ایسا ہی ہے جیسے کسی انسان کے بے روح لاشے کو ممی (Mummy) بنا کر شیشے کے تابوت میں رکھ دیا جائے۔ فراعنۂ مصر سے لے کر لینن اور ماؤ تک بیسیوں انسانی ممیاں ہمارے سامنے ہیں۔ لیکن کیا ملکوں اور ریاستوں کی ''ممی'' بھی ممکن ہے؟ اسلامی روح سے خالی ''پاکستان'' کا وجود بھی ایک ممی (Mummy) کی مانند ہو گا' جو نہ خود کوئی زندہ ملک ہو گا اور نہ وہاں کوئی زندہ قوم باقی رہے گی۔ ہاں' وہ عہدِ جدید کی لبرل تہذیب کا غلاظت خانہ (Septic Tank) ضرور بن جائے گا۔ تہذیبِ اسلامی کے دشمن اِسے ایسا ہی دیکھنا چاہتے ہیں۔

پاکستان کو اس کی روح (اسلام) سے خالی کر کے ممی بنانے کے پراسیس کے دو انتہائی اہم عناصر تعلیم و تدریس کے پورے نظام کی سیکولرائزیشن اور ذرائع ابلاغ کی مادر پدر ''آزادی'' یا بے راہ روی ہیں۔ جس طرح ممی کے کاسۂ سر سے دماغ نکال کر وہاں کچھ مرکبات بھر دیے جاتے ہیں' شاید اسی طرح زندہ پاکستان کو مومیا کر (''ممی'' بنا کر) اس کے کاسۂ سر میں آغا خانی مرکبات بھرنے کو ضروری سمجھا گیا ہے اور اس کے حواسِ خمسہ کو نچیوں اور گویوں کا کلچرل شاک لگا کر مختل و معطل کیا جا رہا ہے۔ منصوبہ سازوں کا خیال ہے کہ ایک بار تعلیم و تدریس کو اپنی مرضی کے مطابق بنا لیا گیا اور میڈیا کو اپنا ہم رنگ کر لیا گیا تب یہاں سے نکلنے والی نسلیں گویا ان کے مطلوب سانچے میں ڈھلی ڈھلائی نکلنا شروع ہو جائیں گی۔ وہ غالباً انسانوں کو کسی پلاسٹک کمپنی کے نپے تلے فرموں (Dies) سے ڈھلی اشیا جیسا سمجھتے ہیں۔ نظامِ تعلیم و تعلّم کے ذریعہ جس طرح کام لینا پیشِ نظر لگتا ہے' یہ وہی ہے جو (علامہ اقبال کی مشہور نظم ''ابلیس کی مجلسِ شوریٰ'' میں) ابلیسِ اعظم نے اپنے شاگردوں سے خطاب میں اس طرح تجویز کیا ہے:

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اُدھر پھیر

ہمارے ملک کی مقتدر قوتیں اور شخصیات یا تو عیار دشمنوں کی فکری رفیق ہیں اور پوری اسکیم کو خوب سوچ سمجھ کر' اس کی روح و باطن سے پوری آگاہی کے ساتھ اور شعوری طور پر یہ منصوبے لے کر چل رہی ہیں۔ (لیکن ہماری دانست میں کچھ ہی لوگ اس ''بلندیٔ فکر و شعور''

پر ہوں گے)۔ یا پھر درحقیقت اربابِ حل وعقد' اختیار و اقتدار پر قابض گروہ اور انسانی و مالی وسائل سے مالا مال افراد اور اداروں کی عظیم اکثریت جدیدیت کی چکاچوند اور مغرب کی استعماری دھمک میں تعلیم و تدریس کے معاملے کو کوئی سادہ سی بات سمجھتی ہے۔ اس کے نزدیک یہ ایک تجریدی (Abstract) اور معروضی (Objective) معاملہ ہے' نہ کہ موضوعی (Subjective)۔ جس طرح کوئی ''موٹر مکینک'' یا پرزے جوڑ کر کمپیوٹر بنانے والا ''انجینئر'' یا ڈمپر لوڈنگ ٹرک چلانے والا ''ڈرائیور'' تیار کیا جاتا ہے کہ اس عمل میں کسی فلسفہ' کسی نظریہ' کسی الٰہیاتی بحث اور کسی سماجی شعور کا عملاً کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اس ''روشن خیال اعتدال پسند'' طبقے کے خیال میں پورا تعلیمی کارخانہ بھی اسی طرح چلایا جانا چاہیے۔ یعنی ملک و ملّت کی نظریاتی اساس کیا ہے؟ اجتماعی عقائد اور ایمانیات کیا ہیں؟ ملی شعور کیا کہتا ہے؟ سماجی اقدار کے تقاضے کیا ہیں؟ ان امور سے بے نیاز رہ کر نظامِ تعلیم تشکیل دیا جاسکتا ہے' نصابِ تعلیم بنایا جاسکتا ہے اور تعلیم و تدریس کے کارندے حاصل کیے اور لگائے جاسکتے ہیں۔ اسی خیال کے تحت ملک کی تاریخ میں آج تک کی سب سے بڑی تعلیمی سرجری شروع کر دی گئی ہے۔ تعلیم و تعلم کا تمام سلسلہ قدم بہ قدم آغا خان فاؤنڈیشن اور بعض دوسرے مشنری یا سیکولر اداروں کے سپرد کرنے کا فیصلہ اسی بڑے منصوبے کا حصہ ہے۔

پاکستان کا تعلیمی نظام آغا خانیوں یا کسی اور سیکولر' بے دین یا بددین افراد یا اداروں کے حوالے کرنے کی مثال کو ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ جیسے کسی ''مکہ فاؤنڈیشن'' کے سپرد امریکا کا نظامِ تعلیم کر دیا گیا ہو۔ کسی ''محمود غزنوی سوسائٹی'' کے حوالے بھارت کا تعلیمی نظام ہو گیا ہو اور کسی ''صلاح الدین ایوبی ٹرسٹ'' کو مسیحی یورپ میں تعلیم و تدریس کے امور سونپے جاچکے ہوں۔ اگر ایسا ممکن ہے تو یقیناً پاکستان کا نظامِ تعلیم بھی ''آغا خان فاؤنڈیشن'' یا اس جیسی کسی اور نام نہاد ''غیر سرکاری تنظیم'' (NGO) کے سپرد کیا جاسکتا ہے۔ مگر پاکستان کے باہر ایسا کہاں ممکن ہے؟ نہ بھارت میں' نہ امریکا میں' نہ یورپ میں' نہ اسرائیل میں' کہیں بھی ایسا نہیں ہوسکتا۔ بس اس لاوارث ملک میں ہی ایسا ممکن ہے۔ شاید پاکستان کو ایک بے سمت کارواں سمجھ لیا گیا ہے اور پاکستانی قوم کو اجتماعی نصب العین اور منزل کے شعور سے عاری' ملی مقاصد سے بیگانہ اور قومی اُمنگ سے خالی گروہ۔ دنیا بھر میں تعلیم کا پورا نظام کسی معاشرے اور قوم کے اجتماعی خمیر سے گندھا ہوا' ملی امنگوں کا آئینہ دار اور قومی نصب العین سے ہم آہنگ سمجھا جاتا

اور اسی کے تابع رکھا جاتا ہے۔ لیکن پاکستان میں جولوٹ سیل مچی ہوئی ہے اور جو قومی ڈاکہ زنی ہورہی ہے' اُس میں تعلیم کو ایک تجریدی (Abstract) اور معروضی (Objective) عمل سمجھ لیا گیا ہے۔

پانی کا کوئی بند (Dam) باندھنا' کوئی اسٹیل مل لگانا' کوئی ہیوی مکینکل کمپلکس تعمیر کرنا' کوئی موٹر وے بچھانا' کسی ایئرپورٹ کے رن وے کو وسعت دینا' کوئی خیابانِ ساحل ہموار کرنا' توانائی پیدا کرنے والا کوئی پلانٹ وغیرہ لگانا' جس طرح کے کام ہیں' اس سے ۱۸۰ درجہ مختلف معاملہ اسکولوں' کالجوں' یونیورسٹیوں اور مدرسوں کا قیام و انصرام ہے۔ آپ کورین کمپنی سے موٹر وے بچھوا سکتے ہیں' چینی انجینئروں سے سینڈک کا تانبہ نکلوا اور گوادر کی بندرگاہ بنوا سکتے ہیں اور امریکا سے ایف سولہ طیارے لے سکتے ہیں۔ مگر کیا فلسفہ' تاریخ' سیاسیات' معاشیات' بین الاقوامی تعلقات' عمرانیات' نفسیات' الٰہیات' ادب اور بے شمار علوم جوں کے توں ان سے لے سکتے ہیں؟ بھارت سے گیس پائپ لائن کا معاہدہ ہوسکتا ہے' مگر پاکستان کو کیسی نسل درکار ہے اور جنوبی ایشیا' خصوصاً پاکستان کی تاریخ کیسے لکھی جائے' اس سلسلے میں اس پڑوسی سے کتنی مدد لے سکتے ہیں؟ ہر صحیح الدماغ اور غیر متعصب انسان یہ کہے گا کہ یہ کام غیروں سے نہیں لیے جاسکتے اور دنیا کی کوئی زندہ قوم اپنی اساسیات (Basics) سے متصادم یا متضاد کوئی عنصر اپنے نظامِ تعلیم کا جز بنانا پسند نہیں کرتی اور نہ اپنا نظامِ تعلیم و تعلّم کسی کے حوالے کرتی ہے۔

جب دنیا بھر میں کہیں بھی یہ کام نہیں ہوسکتے' تو پاکستان میں تعلیم و تدریس یا اس نظام کا کوئی حصہ آغا خان فاؤنڈیشن کے سپرد کیوں کر کیا جاسکتا ہے؟ ہاں زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ ملک کی مجموعی تعلیمی اسکیم کے اندر رہتے ہوئے' اقلیتوں کے لیے چند تعلیمی ادارے چلانے کی ان کو اجازت دے دی جائے' جیسے عیسائی مشنری ادارے یا پارسی حضرات چلاتے ہیں۔ لیکن زندہ قوم ان پر بھی عقابی نظر رکھے گی' نہ یہ کہ انہیں کھل کھیلنے کی مکمل چھوٹ دے دی جائے۔

آغا خانی مذہب اور برادری کے حوالے سے یہ بات ان سب کو جو حادثاتِ زمانہ کے طفیل آج مقتدر بنے بیٹھے ہیں' سمجھ لینی اور یاد رکھنی چاہیے کہ پوری ہزار سالہ تاریخ میں ملّتِ اسلامیہ نے (آپس کے تمام تر اختلافات اور تنازعات کے باوجود) اسے اپنا حصہ نہیں سمجھا اور نہ مستقبل میں اس کا کوئی امکان ہے۔ اگر یہ پورا ملک بھی آغا خانیوں کے حوالے کر دیا

جائے اور آغا خانیوں کے امام کو پاکستان کا بے تاج بادشاہ بنا دیا جائے بلکہ باقاعدہ تاج پوشی بھی کر دی جائے' تب بھی یہاں کے مسلمان آغا خان اور آغا خانی برادری کو اسلام سے خارج اور ملّتِ اسلامیہ کا دشمن' یا کم از کم اس کے لیے مشکوک وجود رکھنے والا گروہ سمجھتے رہیں گے۔ بغداد کی تباہی کو چاہے ہزار سال گزر چکے ہوں' مگر منگولوں سے ساز باز کرنے والے نزاری اسماعیلیوں (باطنیوں) کو ملّتِ اسلامیہ بھلا کیوں کر فراموش کر سکتی ہے؟ ان آغا خانیوں (نزاری اسماعیلیوں/ باطنیوں) کا اپنے ماضی سے تعلق اس قدر گہرا ہے کہ انہوں نے کراچی میں آغا خان ہسپتال کی عمارت کی پوری اسکیم اور نقشہ بھی حسن بن صباح کے قلعہ الاموت (جہاں ایک جعلی جنت بنائی گئی تھی) سے مستعار لیا ہے۔ نہ جانے کیوں ہمارے حکمراں ایک طرف تو کہتے ہیں کہ اکثریت کو اقلیت کا یرغمال نہیں بننے دیں گے۔ مگر وہ خود ملک کی چھیانوے ستانوے فیصد مسلم آبادی کو اعشاریہ ایک فیصد سے بھی کم تعداد والی اقلیت کے حوالے کرنا ''روشن خیال اعتدال پسندی'' (Enlightened Moderation) سمجھتے ہیں؟ دنیا میں کہیں بھی اور کبھی بھی اکثریت پر کسی چھوٹی اقلیت کا غلبہ دیرپا نہیں رہا ہے۔ یہاں بھی نہیں رہے گا۔

یہاں یہ بات بھی واضح کر دینا ضروری اور مفید ہے کہ قیامِ پاکستان سے لے کر آج تک آغا خانی (نزاری اسماعیلی) فرقہ اس ملک و معاشرہ میں مکمل امن و سکون اور آزادی کے ساتھ رہ بس رہا ہے' کاروبار کر رہا ہے' اربوں روپے اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر کر رہا ہے۔ اِسے معمولی قیمتوں پر مہنگی زمینیں مل جاتی ہیں اور جو اور جتنی مراعات ریاست وحکومت سے چاہتا ہے' بلاروک ٹوک پالیتا ہے۔ ملک کی چھیانوے ستانوے فیصد مسلم اکثریت آغا خانیوں سے کوئی تعرض نہیں کرتی رہی۔ مگر اِدھر چند برسوں سے آغا خانیوں نے پر پرزے نکالنے شروع کر دیے ہیں اور ملک کی بھاری مسلمان اکثریت کے دائرے میں مداخلت اور حساس امور سے چھیڑ چھاڑ شروع کر دی ہے۔ شاید یہی آج کے عالمی استعماری ایجنڈے میں ان کے لیے متعین کردہ کردار ہے۔ اس کے بعد اس فرقہ کو ماضی قریب جیسے رویے کی امید عظیم مسلمان اکثریت سے نہیں رکھنی چاہیے۔ اگر یہ فرقہ اپنے قد سے بہت بڑھ چڑھ کر معاملات میں دخیل بنے گا تو پھر اکثریت بھی مجبور ہوگی کہ وہ آغا خانیوں کی تاریخ کھنگالے' ماضی میں ان کے گھناؤنے کردار کو یاد کرے اور مستقبل میں انہیں اس قابل نہ بننے دے کہ (نزاری

اسماعیلی) ''فدائین'' مسلمان رہنماؤں کے سینوں میں خنجر اتار اتار کر مسلم دنیا کو بے حال کر دیں اور کسی ''منگول طوفان'' کا یہ پھر پیش خیمہ بنیں۔ قادیانیوں کے خلاف مسلمانوں کی تحریک ختمِ نبوت اور وادیٔ سندھ پر سلطان محمود غزنوی کے تابڑ توڑ حملے اس بات کو سمجھنے کے لیے یاد رکھنے چاہییں۔

اس سلسلے میں آخری بات یہ عرض کرنی ہے کہ آغا خان فاؤنڈیشن کو آگے بڑھانے کا استعماری فیصلہ ایک حوالے سے ''شر میں خیر'' (Blessing in Disguise) بھی ہے۔ اگر یہی کام جو استعمار اور اس کے مقامی ایجنٹوں کے پیشِ نظر ہے' سید زادوں کو' کسی صدیقی' فاروقی' عثمانی' علوی وغیرہ شناخت رکھنے والے ادارے یا گروہ کو دیا گیا ہوتا تو آج پورے ملک میں اس حوالے سے جو یکسوئی اور ہم آہنگی ہے' وہ پیدا ہونا مشکل تھی۔ یہ تو اللہ کا کرم ہے کہ سازشیوں نے (حد سے بڑھی خوداعتمادی کے نتیجے میں) نقاب بھی ایسا اوڑھا ہے جو پکار پکار کے سازش کو اور سازشیوں کو بے نقاب کر رہا ہے۔ لہٰذا اہلِ اختیار و اقتدار جتنا بھی زور اور زر لگا لیں اور چاہے فی الوقت پوری تعلیم کو اغوا کر لیں' لیکن ملّتِ اسلامیہ پاکستان کا اجتماعی ضمیر اور ملّی شعور بالآخر اس صورتحال کو مسترد کر دے گا اور اس تعلیمی قبضہ سے آزادی کی تحریک پورے جہادی جوش و جذبہ سے چلے گی۔ قوموں کی تاریخ میں نامساعد حالات آتے ہیں اور گزر جاتے ہیں۔ منگول بھی طوفان بن کر آئے تھے اور بغداد پر قابض ہو گئے تھے۔ وہ پوری مسلم دنیا کو تہہ و بالا کر گئے تھے۔ لیکن اس کے بعد مسلم دنیا تو قائم رہی' منگول آج ڈھونڈنے سے ہی ملیں گی۔ آغا خان فاؤنڈیشن اور مغربی و امریکی سرمایہ کی مدد سے ملکی و قومی تعلیمی نظام کو گرفت میں لینے والے دیگر عناصر چاہے عارضی طور پر کامیاب رہیں' لیکن دراصل وہ پوری ملت کے اجتماعی شعور میں کانٹے کی طرح کھٹک رہے ہیں۔ ملتِ اسلامیہ ان شاء اللہ اس زہریلے کانٹے کو نکالنے میں بالآخر کامیاب رہے گی اور ہمارا ملّی اجتماعی ضمیر اس زہر کو بالآخر اُگل دے گا۔



تعلیم کے نام پر بربادی کا کھیل

اوریا مقبول جان

یہ چھوٹا سا پانچ کمروں کا اسکول تھا، جہاں پڑھنے کے لئے ٹاٹ، گھر سے لانا پڑتا تھا۔ درمیان میں پانی کا ایک نلکا اور چھوٹا سا حوض تھا۔ جس میں ہم تختیاں دھوتے اور ان پر چکنی مٹی مل کر دھوپ میں سکھاتے۔ صبح کی اسمبلی میں قطار در قطار کھڑے جب اقبالؒ کی دعا ''لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری'' یک زبان ہوکر گاتے تو میں اپنے دینیات کے ماسٹر جی کا چہرہ دیکھ رہا ہوتا۔ خوشی سے تمتماتا ہوا اور پھر جب ان کے ہاتھ دعا کے لئے بلند ہوتے اور ہم بچے ان کی دعا کے بعد گلے پھاڑ کر ''آمین'' کہتے تو پتا نہیں کیوں ان کی آنکھوں سے اتنے آنسو چھلکتے کہ ان کی سفید داڑھی بھیگ جاتی۔

مجھے آج بھی ان کی وہ دعا یاد ہے، جو انہوں نے ہمارے پرائمری کے نتیجے والے دن ہمیں خدا حافظ کہنے کے لئے گڑگڑا کر مانگی تھی: ''اے اللہ! یہ بچے تیرے محبوب رسولؐ کی اُمت کے پھول ہیں، ان کو کامیابیاں عطا فرما۔ ان کی زندگیوں میں **صدیق اکبرؓ کی صداقت، عمر فاروقؓ کی عدالت، عثمانِ غنیؓ کی سخاوت اور حیدر کرارؓ کی شجاعت کی جھلک پیدا کر**'' معلوم نہیں یہ اس نیک انسان کی دعا کا اثر تھا یا ہمارے نصاب کی کتابوں میں جگ مگ کرتے ماضی کے ذکر کی تاثیر تھی کہ میں یا میری اسکول کے ہزاروں ساتھی جو زندگی کی کامیابیوں کے کتنے زینے طے کر چکے ہیں، لیکن ان کے دلوں سے یہ ہیرو اور ان کی یادوں سے یہ کہانیاں محو نہ ہو سکیں۔ دنیا میں پرستش کا کوئی بھی معیار آجائے۔ ہمارے لئے صداقت، عدالت، سخاوت اور شجاعت کا معیار یہی لوگ رہے۔

لیکن آج ان ہیروز کو ہم سے جدا کرنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں اور یہ آج سے نہیں ہو رہا، بلکہ اس کا سفر بہت طویل اور کہانی بڑی دل گداز ہے۔

آیئے میں آپ کو تاریخ کے ایک چھوٹے سے سفر پر لیے چلتا ہوں۔

یورپ جب نپولین بونا پارٹ کے زمانے میں ہونے والی طویل جنگوں سے فارغ ہوا اور لاکھوں انسانوں کے قتل و غارت کے بعد قدرے سکون کی حالت میں آیا تو اسے گیارہویں اور بارہویں صدی کی صلیبی جنگوں کے دُکھ اور صدمے یاد آنے لگے۔ دنیا بھر کے عیسائی مشنریوں کو ان کا مکمل ادراک تھا کہ خواہ جنگ ہو یا تبلیغ، مسلمان ایک ایسی قوم ہے جس کو مذہب بدلنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

1219ء میں سینٹ فرانس کی مثال بہت اہم ہے جو شدید خون ریز صلیبی جنگ کے بعد مصر پہنچا، تو وہاں لوگوں نے کسی قسم کی مذہبی بحث میں حصہ لینے سے انکار کر دیا۔ اس کے ساتھی نہ تو مسلمانوں کے ہاتھوں ذلیل و رسوا ہوئے، نہ مارے گئے اور نہ لوگوں نے ان کی باتوں پر کان دھرا، جس کا بدلہ انہوں نے اسپین اور مراکش کی آبادیوں میں تشدد اور درندگی و وحشت سے لیا۔ لیکن اب یورپ کی چار بڑی سلطنتیں، برطانیہ، فرانس، پرتگال اور ہالینڈ مسلمان ملکوں پر چڑھ دوڑیں۔ 1758ء میں بنگال کی فتح سے 1798ء کی ولندیزیوں (ہالینڈ) کے انڈیز کے علاقے پر کنٹرول سے لے کر 1956ء میں نہر سویز تک کی آبادی ان حکومتوں کے زیرِ اثر آ گئی۔ لیکن تاریخ کے صفحات اب اس حقیقت سے پوری طرح آشنا ہو چکے ہیں کہ یہ گوری اپنے زعم میں ''مہذب'' قومیں صرف تجارتی مقاصد اور توسیع سلطنت کے لئے گھروں سے نہیں نکلی تھیں، بلکہ عیسائی مشنریوں کی منظّم کوشش بھی ان کے پیشِ نظر تھی کہ مسلم دنیا کو کیسے عیسائی بنایا جا سکتا ہے۔

اسی مشترکہ ہدف کے حصول کے لئے ان چاروں قوموں کے چرچ اکٹھے ہوئے اور انہوں نے پوری دنیا سے چھ علاقوں کو چنا، جہاں مسلمانوں کے مقابلے میں عیسائیت کی ترویج کی جا سکتی تھی۔

1۔ ہندوستان، 2۔ انڈونیشیا، 3۔ مشرقِ وسطیٰ، 4۔ شمالی افریقہ یعنی مصر، سوڈان، مراکش وغیرہ، 5۔ افریقہ یعنی (ایتھوپیا، کینیا، تنزانیہ وغیرہ)، 6۔ چین اور دیگر علاقے۔

ان صدیوں میں جب تک ان قوموں کا اقتدار رہا حکومت خواہ کسی ملک کی بھی ہوئی ان چاروں سلطنتوں کی مشنریاں ایک ساتھ مل کر کام کرتی رہیں۔ یہاں میں وہ کہانیاں نہیں

بیان کرنا چاہتا کہ کیسے انڈونیشیا میں حج پر پابندی سے لے کر مسلمانوں پر ملازمت کے دروازے بند کرنے تک۔ الجزائر میں جا بجا گرجا گھر کھولنے سے لے کر کبائلہ کے علاقے میں کئی سو مشنریوں کو بھیجنے تک کیا اقدامات نہ کیے گئے۔ 350 سال کی ''محنت'' جس میں اسپتال کھولے گئے، یتیموں کے ادارے بنائے گئے، گرائمر کانونٹ اسکول کھولے گئے، لیکن ان برسوں میں صرف چند ہزار لوگ عیسائی ہو سکے جن میں اکثر وہ یتیم تھے جو ان اداروں پر پلے بڑھے تھے۔ کبائلہ سب سے زیادہ کامیابی کی مثال ہے، جہاں 250 سال کی محنت کے بعد 1930ء تک صرف 700 لوگ عیسائی بن سکے۔

اب سر جوڑے گئے، تحقیق ہوئی اور ایک راستہ ڈھونڈا گیا۔ بقول گبز: ''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مسلمانوں پر کون حکومت کرتا ہے۔ یہاں تک کہ شدید ترین مخالف حکمران بھی ان کو دین بدلنے پر مجبور نہیں کر سکا۔ البتہ تعلیم ایک ایسا شعبہ ہے جہاں سے ان پر حملہ کیا جاسکتا ہے، کیونکہ مسلمانوں کا نظامِ تعلیم غیر رسمی ہے اور فاتح قوم کی انتظامی مشینری کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اس لئے یہ لوگ مجبوراً آپ کا دیا ہوا نظام تعلیم اپنائیں گے اور یوں ایک ایسی نسل تیار ہوجائے گی جو معاشرتی، معاشی اور اخلاقی طور پر اسلام سے دور لیکن نام اور نسب کے اعتبار سے مسلمان ہوگی''۔

اس طرح جنوب مشرقی ایشیا میں 1873ء میں پہلا عیسائی مبلغ ولیم کیرے بنگال آیا، جو زراعت اور تعلیم کا ماہر تھا۔ اس نے ان دونوں شعبوں میں کام کیا اور صرف 50 سال کے عرصے میں وہاں 83 گاؤں ایسے تھے جو عیسائی آبادی میں تبدیل ہوچکے تھے۔ 1857ء میں جب انگریز اس خطے پر برسرِاقتدار ہوئے تو انہیں معلوم تھا کہ مسلمان سے زیادہ ''ڈھیٹ'' قوم اس خطے پر نہیں پائی جاتی۔ ہر چند کہ یہ جنگوں میں ہمیں سپاہی مہیا کرتے ہیں، مراعات لیتے ہیں، کالے پانی جیسی سزائیں بھی برداشت کرتے ہیں، تنگ آکر ہجرت کرتے ہیں، لیکن اپنا مذہب نہیں چھوڑتے۔

اس زمانے کے نوآبادیاتی حاکم اس نتیجے پر پہنچے کہ اگر مسلمانوں کے ملکوں میں ایک ایسا تعلیمی نظام رائج کردیا جائے جو ان سے ان کی اپنے اسلاف سے عقیدت اور اپنی اقدار سے محبت چھینے تو پھر ان کی آئندہ نسلیں ایسی ہوں گی جن کے نام تو بے شک مسلمانوں جیسے

ہوں گے، لیکن جن کے ہیروز، جن کے معیارات، جن کی زندگی گزارنے کے طریقے سب ہمارے جیسے ہوں گے۔ انہیں مجلس شوریٰ کے لفظ سے چڑ ہوگی اور پارلیمنٹ سے محبت، ان کو دو کمروں کے کچے مکان میں رہ کر آدھی دنیا پر حکمرانی کرنے والے فاروق اعظمؓ کا کردار اچھا نہیں لگے گا، بلکہ وہ سیریز کی کہانیوں اور نپولین کے قصوں کو یاد کریں گے۔ انہیں محفلوں میں بیٹھ کر اپنے آباؤ اجداد کے کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے شرم آئے گی اور وہ رومیو، سارتر، جان آف آرک اور شیکسپیئر جیسے نام لے کر اپنا سر فخر سے بلند کیا کریں گے۔ اور پھر ایسا صرف ایک سو سال کے اندر ممکن ہونے لگا۔ ایک شرمندہ قسم کی مسلمان قوم بنتی گئی۔

مگر اس قوم کی خاکستر میں کسی نہ کسی طرح چنگاریاں سلگتی رہیں۔ بھوسے کے ڈھیر میں اندر ہی اندر جذبوں کی آگ بھڑکتی رہی۔ یہ کرشمہ خواہ مسجدوں کے منبروں سے ماضی کے تذکروں سے، ہو یا ہمارے نصابِ تعلیم میں اسلام کے ذکر سے، یا پھر کسی دینیات کے بوڑھے استاد کی دعاؤں سے۔ مگر پوری دنیا کے وہ مغربی حکمران یا ان مغربی حکمرانوں کا کاسہ لیس مقامی حکمران جو اطمینان کر بیٹھے تھے، ان کو اس میں آگ کا دھواں نظر آنے لگا۔

اعداد وشمار جمع ہوئے تو لوگ انگشت بدنداں رہ گئے کہ گزشتہ 50 سالوں میں دنیا بھر میں مسلمانوں کی آبادی میں 235 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ سترھویں صدی میں افریقہ سے غلاموں کو پکڑ کر امریکہ لایا جاتا تھا، لیکن ان بے چارے مظلوموں میں سو سے بھی کم افراد ایسے تھے کہ جو حضرت بلال حبشیؓ کے دین کے ساتھی تھے۔ لیکن یہ صرف ایک سو افراد دو سو سال کے اندر آج ایک کروڑ ہو چکے ہیں اور ان میں 30 فیصد لوگ ایسے ہیں، جو اپنا مذہب تبدیل کر کے مسلمان ہوئے۔ سب سے زیادہ مذہب اس وقت تبدیل ہوا جب یہ لوگ جیل پہنچے اور نور ہدایت لے کر باہر آئے۔ ایسا صرف امریکہ میں ہی نہیں ہوا، دنیا بھر میں یہ ''آگ'' پھیلنے لگی۔ امریکہ میں مسلمانوں کے اضافے کی شرح 25 فیصد ہے۔ جبکہ یورپ میں 143 فیصد اور آسٹریلیا میں 257 فیصد اور حیرت کی بات یہ ہے کہ مسلمان ملکوں میں ان کے اضافے کی شرح بہت کم ہے۔ ایشیا میں 12 فیصد اور افریقہ میں صرف ڈھائی فیصد۔ 1996ء میں مسلمان ایک ارب 48 کروڑ تھے اور آج ایک ارب 90 کروڑ ہیں۔ یہ جنگل کی آگ کی طرح پھیلے تو حیرت زدہ طاقتیں سر جوڑ کر بیٹھ گئیں۔ اس کھوج میں لگ گئیں کہ: ''ہم سے کہاں

غلطی سرزد ہوئی۔ کہاں اس قوم کا رابطہ اپنی اقدار اور اپنے اسلام سے قائم رہ گیا''۔

پوری دنیا میں محققین کا جال پھیلا دیا گیا۔ ورلڈ بینک کے تعلیمی فنڈ، یو ایس ایڈ اور یونیسکو نے رپورٹیں مرتب کرنا شروع کیں اور گزشتہ بیس سال میں نئے نعرے تخلیق کیے گئے: انسانی حقوق، حقوقِ نسواں، بچوں کے حقوق، فری مارکیٹ، گلوبلائزیشن، لبرلائزیشن، پوری دنیا کی منڈیوں میں، اسکولوں میں، اسپتالوں میں، کارخانوں میں ایک طرح کی اقدار اور روایات اور ماحول کو جنم لینا چاہیے۔ سب خاندان ایک ہی طرزِ زندگی پر بچے پرورش کریں۔ ہر اسکول ایک طرح کی عالمی اخلاقیات کی تعلیم دے اور ہر ملک ایک ہی ضابطۂ اخلاق اور کاروباری معیار کو نافذ کرے۔ ورلڈ بینک کی رپورٹ Globalisation & Poverty نے وہ راستے متعین کیے۔ بنیادی طور پر یہ ایک نکاتی ایجنڈا تھا جسے 1980ء سے آہستہ آہستہ روبہ عمل لایا گیا۔ ورلڈ بینک اسی سارے عمل کو تاریخی طور پر تین حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ 1870ء سے 1914ء تک جب ان کی نظر میں بہت معاشی ترقی ہوئی۔ 1950ء سے 1980ء تک جب ترقی یافتہ ملک متحد ہوئے اور ایک نئے انسانی نظام کو جنم دیا اور تیسرا دور 1980ء سے شروع ہوتا ہے جب اس نظام کو پوری دنیا تک پھیلانا پیشِ نظر قرار دیا گیا ہے۔ اس نظام کے تین بنیادی تصورات ہیں۔

1۔ کثیر الثقافتی نظام (Multi-cultralism)

2۔ کثرت (Pluralism)

3۔ عالمگیریت (Globalisation)

ان سارے منصوبہ سازوں کے نزدیک ایک نکتہ سب سے اہم تھا کہ جب تک تعلیم کے نظام کو حکومتی اختیار سے لے کر ایک غیر منظم اور پھر منظم قسم کے پرائیویٹ سیکٹر میں نہیں دے دیا جاتا، یہ مسئلہ حل نہیں ہوسکتا۔ یہ پرائیویٹ سیکٹر دنیا بھر کی تجارتی ڈیمانڈ کے مطابق لوگوں کو تعلیم دے گا اور حکومتوں پر جو لوگوں کا اخلاقی اور مذہبی دباؤ ہوگا وہ بھی ختم ہوجائے گا۔

اس سارے کاروباری حملے کی کئی ایک مثالیں آپ کو اپنے ملک پاکستان سے دوں گا۔

اس وقت پورے پاکستان میں 36109 پرائیویٹ تعلیمی ادارے ہیں۔ یہ ادارے ایک سال میں لوگوں کی جیبوں سے 22 ارب روپے کماتے ہیں اور ان کا کل خرچ صرف 12

ارب روپے ہے۔ یوں آمدنی کا پچاس فیصد ان کاروباری لوگوں کی جیبوں میں چلا جاتا ہے۔ ان اسکولوں میں سے صرف تین فیصد کسی یونیورسٹی یا بورڈ سے منظور شدہ ہیں۔ 64 فیصد رجسٹرڈ ہیں اور باقی نہ رجسٹرڈ ہیں اور کچھ نہ ہی منظور شدہ۔ ان اداروں میں 94 فیصد پرائمری تعلیم دیتے ہیں۔ ان 36000 اداروں میں صرف تین لاکھ استاد ہیں اور یوں فی ادارہ صرف آٹھ استادوں کی شرح بنتی ہے۔ پرائمری سے ہائی اسکولوں تک 65 فیصد ایسے استاد ہیں جو غیر تربیت یافتہ ہیں اور ان میں 15 فیصد تو صرف میٹرک ہیں۔ سب سے حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ ادارے جو سالانہ 22 ارب روپے کماتے ہیں ان کی 28 فیصد آمدنی داخلے کی فیس سے ہوتی ہے۔ یعنی لوٹ مار کی انتہا داخلے کے وقت سب سے زیادہ ہوتی ہے۔

یہ تعلیمی ادارے گزشتہ بیس سال سے ایک ایسے ماحول کو جنم دینے کی کوشش کر رہے ہیں اور اس راستے کو آسان کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، جہاں پڑھنے والوں کی ساری نگاہیں آکسفورڈ سے کیمبرج تک اور کولمبیا سے برکلے تک مرکوز ہیں۔ وہ اقبال، اسماعیل میرٹھی اور الطاف حسین حالی کی نظموں کے بجائے نرسری Ryhms کی گود میں پروان چڑھے۔ اس سارے نظام کو گزشتہ تین سال کی مغرب زدہ حکومت نے اپنے اور اپنے آقاؤں کے ایجنڈے کے مطابق بڑھانے کی کوشش کی اور یہ ایجنڈا کوئی خفیہ نہ تھا۔ 23 اپریل 1999ء کو برلن میں ایک کانفرنس منعقد کی گئی اور اس کا موضوع تھا مغربی اور اسلامی معاشروں کے تعلقات۔ اس کانفرنس میں ایک برلن ڈیکلریشن جاری کیا گیا جس کا مقصد تھا:

Global Wholesome, Global Unity, Global Mutuality

اس ڈیکلیریشن میں کہا گیا کہ ہمیں پرائمری اور سیکنڈری تعلیم کی طرف توجہ دینا ہوگی۔ ایک ایسے نظام تعلیم کو مرتب کرنا ہوگا جو آسٹریلیا کے شہر سڈنی سے امریکہ کے شہر ہوائی تک، ایک طرح کے ہیروز، ایک جیسی اقدار اور ایک جیسی سوچ کو جنم دے۔ اس سارے کام کے لئے ڈونرز کے پیسوں پر پلنے والی این جی اوز (NGOs) کو سامنے لایا جائے۔ پھر ہمارے ملک میں این جی اوز پر مشتمل ایک حکومت وجود میں آگئی۔ MSU DFID JEKA CEDAW جیسے ڈونرز نے پیسوں کے منہ کھول دیئے۔ چالیس سے زیادہ سفارت خانوں نے اپنے سفارت خانے میں ایک ایک سیل قائم کیا، جو ان این جی اوز کو امداد

دینے لگا۔ انسانی حقوق، حقوقِ نسواں، بچوں کے حقوق، عورتوں پر تشدد، گراس روٹ، جمہوریت، جیسے نعرے دیئے گئے اور مجبور کیا گیا کہ ان کو نصاب میں شامل کیا جائے۔ وہ قوم جو انسانی حقوق کا چارٹر 1400 سال پہلے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ حجتہ الوداع کو سمجھتی تھی، اسے بتایا جانے لگا کہ 1995ء کی بیجنگ کانفرنس نے عورتوں کو حق دیا۔ CRC نے بچوں کو حقوق دیئے۔ ایمنسٹی انٹرنیشنل نے سب سے پہلے انسانوں کو انسان سمجھا۔ وہ یہ تمام تر اپنے نصاب دیکھنے لگے، جو کبھی یہ سنتے تھے کہ تم پر کسی انسان کی جان اس مقام اور اس مہینے سے زیادہ مقدس ہے۔ تم میں سے کسی عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر فضیلت نہیں۔

لیکن اس سارے معاملے میں دکھ کا پہلو یہ تھا کہ تعلیم عام آدمی کی دسترس سے دور ہوتی گئی اور پنجاب کی تاریخ میں بورڈ کے امتحان میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کرنے والی لڑکی کینرڈ کالج میں داخلہ نہ لے سکی، کیونکہ اس کے والدین کے پاس داخلہ فیس کے لئے اڑتیس ہزار روپے موجود نہ تھے۔ این جی اوز کے سرکردہ آغا خان فاؤنڈیشن ادارے سے جناب لاکھا کو تعلیم میں ریفارمز کے کمیشن کا سربراہ مقرر کیا گیا۔ جن کا نعرہ یہ تھا کہ:

"تعلیم کم از کم اتنی تو مہنگی ہو کہ والدین کو اس کا احساس ہو سکے"۔

اس لئے کہ ان کے سامنے 36 ہزار پرائیویٹ تعلیمی ادارے موجود تھے جو لوگوں کی کھال کھینچ کر پیسے وصول کر رہے تھے۔ یوں تعلیم کو صرف ایسے طبقوں تک محدود کر دیا جائے جہاں ان کے منظورِ نظر کلچر کی آبیاری آسانی سے ہو سکتی ہو۔ تعلیم کو ایک قابلِ خرید و فروخت جنس بنا دیا جائے اور جس کی جیب میں پیسے ہوں وہ اسے خرید سکے۔ یہ سب کچھ ایک ایسی قوم کو سکھایا جا رہا تھا جو بغداد کے مدرسوں، مصر کی جامعۃ الازہر، سمرقند و بخارا کی درسگاہوں کی امین تھی۔ جہاں تعلیم کے نام پر پیسہ لینے یا منافع کمانے کو حرام سمجھا جاتا تھا اور اسی روایت کو انہوں نے ماڈرن تعلیمی اداروں تک قائم رکھا۔

1973ء تک کوئی پرائیویٹ تعلیمی ادارہ، اسکول، کالج یا یونیورسٹی ایسی نہ تھی جس کے دروازے سے غریب گھر کے طالب علم کو خوف آتا ہو۔ جہاں غریب کے بچے نہ داخل ہو سکتے ہیں۔ یہ وہ دروازے تھے جن کی عمارتیں لوگوں کے چندے سے تعمیر کی گئیں۔ علی گڑھ سے لے کر دیوبند تک اور انجمن حمایت اسلام سے لے کر سندھ مدرسۃ الاسلام تک۔ جہاں

قائداعظمؒ سے لے کر علامہ اقبالؒ تک سر شاہ سلیمانؒ سے لے کر فیض احمد فیض تک پڑھتے رہے۔ جہاں کے پڑھے لکھے لوگ نہ ایچی سن سے خوف کھاتے تھے اور نہ کانونٹ اور گرائمر اسکولوں سے مقابلہ کرنے سے ڈرتے تھے۔ انہیں علم تھا کہ ایسے ہی بوریہ نشین اسکولوں نے بو علی سینا کو جنم دیا تو پوری دنیا میں طلب کا باب کھلا، جابر بن حیان پیدا ہوا تو سائنس کی راہیں متعین ہوئیں، ابن الہیثم نے علم حاصل کیا تو ریاضی کے اصول متعین ہوئے اور آج دنیا کی کوئی ماڈرن سے ماڈرن یونیورسٹی علم کی اس سیڑھی پر قدم رکھے بغیر نہیں بڑھ سکتی۔ لیکن سامراجیوں کے لئے اسے برداشت کرنا کیسے ممکن تھا کہ ہم اپنی بنیاد پر قائم رہیں اپنی انفرادیت برقرار رکھیں اور پوری دنیا کو اپنے رنگ میں رنگنے کا خواب دیکھنے والے خاموش بیٹھے رہیں۔

وہ اپنے کام میں مصروف تھے کہ گیارہ ستمبر 2001ء آ گیا۔ اب تو لوہا گرم ہو یا نہ ہو، وار ضروری ہو گیا تھا۔ امریکہ کے دفتر خارجہ نے گیارہ ستمبر کے فوراً بعد لاکھوں ڈالر دے کر بروکنگز انسٹی ٹیوٹ کو ایک پراجیکٹ دیا کہ ہم مسلمان ملکوں میں تعلیم کے نظام کو کیسے ''درست'' کر سکتے ہیں۔ ستمبر 2002ء میں پی ڈبلیو سنگر کی سربراہی میں ایک رپورٹ بنائی تھی، جس میں بتایا گیا کہ ہم کیسے مسلمانوں سے ان کی روح اور اقدار کو دور کرا سکتے ہیں۔ پہلا کام ان ملکوں میں نظامِ تعلیم سے ان حصوں کو نکالنا قرار دیا گیا جن سے ان کے اسلاف کے کارناموں کی بو آتی ہو۔ ان کی اقدار جن میں انصاف، اخلاق، شرم و حیا، عدل اور حاکمیتِ الٰہی شامل ہے، اس کی جگہ حقوق نسواں، عالمی برادری، انسانی حقوق اور مذہبی جبر کے خلاف تحریک وغیرہ شامل کرنا لازم کیا گیا ہے۔ لبرل تعلیم کا نعرہ سب سے اہم اور بنیادی ہے۔

اس پالیسی کے نفاذ کے آغاز میں امریکہ کی بین الاقوامی ترقیاتی ایجنسی نے پاکستان کو کئی سو ملین ڈالر کی امداد کا اعلان کیا، تاکہ تعلیمی میدان میں اصلاحات کی جائیں۔ یونیسکو کے ایک اہم رکن اور ٹاسک فورس کے چیئرمین ہینری روسکی کو اس کام کے لئے مخصوص کیا گیا اور ورلڈ بینک کی رپورٹ میں پاکستان کے دینی مدرسوں کو کنٹرول کرنے کا راستہ دکھایا گیا۔

بروکنگز انسٹی ٹیوٹ کی یہ رپورٹ اپنی نوعیت کی پہلی رپورٹ ہے جس میں کھل کر کہا گیا ہے: ''امریکہ کی تمام این جی اوز اور پرائیویٹ تعلیمی اداروں میں لبرل اور مذہب سے

بیگانہ لوگ موجود ہیں۔ ان کو ڈھیروں امداد دی جائے۔ ان کے فارغ التحصیل طلبہ کو اسکالرشپ دیئے جائیں اور جن اداروں میں مذہبی لوگ شامل ہیں حکومت کے ذریعے سے ان کی معاشی ناکہ بندی کروائی جائے اور انہیں غیر فعال بنایا جائے۔ یہ انسٹی ٹیوٹ کہتا ہے کہ تعلیمی اداروں کو جتنا ممکن ہو سکے پرائیویٹ سیکٹر میں دیا جائے تاکہ ان کے بورڈ کو مالی امداد کے ذریعے مجبور کیا جا سکے کہ وہ ہماری مرضی کا نظام تعلیم اپنے اسکولوں میں رائج کریں۔ پورے ملک میں گزشتہ ایک سال سے اس کام کا آغاز ہو چکا ہے۔ اساتذہ اور طلبہ لوگ احتجاج کریں ہمیں اس کی پروا نہیں۔ ہمیں تو کھنکھناتے ہوئے ڈالروں میں ملنے والی امداد چاہیے۔ کتابیں مرتب ہو رہی ہیں۔ ورکشاپ منعقد ہو رہے ہیں۔ کنسلٹنٹ اسلام آباد کے سرسبز ماحول میں بیٹھے کام کر رہے ہیں اور سو سال پہلے اس ملک کو ایک بے سروپا نظامِ تعلیم دینے والے ایک بار پھر ایسی مسلمان قوم کا خواب دیکھ رہے ہیں جن کی نصاب کی کتابوں میں ڈھونڈے سے صدیق اکبرؓ کی صداقت، فاروقِ اعظمؓ کی عدالت، عثمانِ غنیؓ کی سخاوت اور حیدر کرارؓ کی شجاعت کا تذکرہ نہ مل سکے۔

اور ایسے میں اگر دینیات کا کوئی بوڑھا استاد آنسوؤں میں بھیگی دعاؤں میں ان شخصیات کا ذکر کرے گا تو بچے حیرت سے دیکھ رہے ہوں گے اور سوچ رہے ہوں گے کہ یہ لوگ کون تھے؟ کہاں تھے؟ ہمارا ان کے ساتھ کوئی تعلق بھی ہے یا نہیں؟

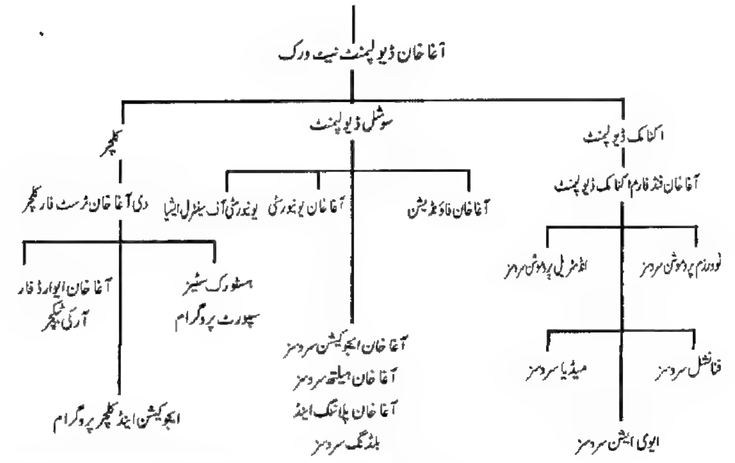


آغا خان فاؤنڈیشن کے

ثقافتی، تعلیمی اور معاشی منصوبے یا۔۔۔؟

عامر اشرف

آغا خان بورڈ وسیع وعریض AKDN یعنی Aga Khan Development Network (آغا خان ڈیولپمنٹ نیٹ ورک) کا ایک چھوٹا سا جز ہے۔ آغا خان بورڈ کا جائزہ لینے کے لئے پورے نیٹ ورک کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے۔ آغا خان ڈیولپمنٹ نیٹ ورک کے جاری کردہ کتابچے کے صفحہ آٹھ کے مطابق نیٹ ورک کی بنیاد خدمت کی اس روایت میں پنہاں ہے جس کا مشاہدہ شیعہ امامیہ اسماعیلی مسلمانوں نے کیا (یہ افراد عام طور پر اسماعیلی



روزنامہ اسلام' ہمقدم' انٹرنیٹ

کہلاتے ہیں) اس کتابچے کے آخری صفحے پر ''آغا خان ڈیولپمنٹ نیٹ ورک کے جو اجزائے ترکیبی گئے ہیں ان میں سب سے اوپر ''**دی امامت**'' کے الفاظ تحریر ہیں۔ نیٹ ورک کا بنیادی ڈھانچہ ایک علیحدہ چارٹ میں دیکھا جا سکتا ہے۔

کتابچے میں دیے گئے تعارف کے مطابق دی آغا خان ڈیولپمنٹ ورک'' پرائیویٹ، بین الاقوامی اور غیر فرقہ وارانہ اداروں کا ایک گروہ ہے جو ترقی پذیر ممالک کے مخصوص علاقوں میں زندگی کو بہتر بنانے اور عوام کی سہولیات میں اضافے کے لئے کوشاں ہے''۔

''دی آغا خان ڈیولپمنٹ نیٹ ورک'' کے کئی ذیلی اداروں کو انیسویں صدی کے اواخر میں اسماعیلیوں کے اڑتالیسویں امام سلطان محمد شاہ (سر آغا خان سوم) نے قائم کیا تھا جو موجودہ آغا خان چہارم (پرنس کریم) کے دادا تھے۔ یہ ادارے اس لئے قائم کئے گئے تھے کہ یہ جنوبی ایشیا اور مشرقی افریقہ میں اسماعیلی کمیونٹی کی ضروریات پوری کر سکیں''۔

سر آغا خان سوئم نے اپنی زندگی کا ایک بڑا حصہ مغرب میں گزارا۔ وہ جنوبی ایشیا میں بھی مغربی تعلیم اور طرزِ زندگی کو پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتے تھے۔ انہوں نے جنوبی ایشیا میں مخلوط تعلیم کو رواج دیا اور وہ مغرب ہی کی طرح معاشرے کی عورتوں کو فعال دیکھنے کے خواہش مند تھے۔ اسی لئے انہوں نے ایک مرتبہ کہا تھا ''اگر آپ کے دو بچے ہیں۔ ان میں سے ایک لڑکا ہے اور ایک لڑکی اور اگر آپ ان میں سے کسی ایک کو تعلیم دلانے کی استعداد رکھتے ہیں تو آپ کو چاہئے کہ (لڑکے کو نہیں) بلکہ لڑکی کو تعلیم دلائیں''۔

کتابچے کے صفحہ ۲۷ پر دیے گئے ''آغا خان ایجوکیشن سروسز'' کے تعارف کے مطابق ''آغا خان ایجوکیشن سروسز'' ترقی پذیر ممالک میں تین سو سے زیادہ اسکول اور دیگر تعلیمی ادارے چلا رہی ہے۔ اس میں ڈے کیئر سینٹر سے لے کر ہائر سیکنڈری اسکول تک شامل ہیں۔ (تعلیمی) نظام کی بنیاد سر سلطان محمد شاہ (سر آغا خان سوئم) نے بیسویں صدی کے پہلے نصف میں رکھی اور اس عرصے میں جنوبی ایشیا اور مشرقی افریقہ میں ایک سو سے زیادہ اسکول قائم کئے گئے۔ ان اسکولوں کا قیام بنیادی طور پر اسماعیلی کمیونٹی کے لئے تھا۔ ۱۹۵۰ء کی دہائی میں موجودہ آغا خان کی رہنمائی میں اسکولوں نے شاگردوں کے داخلے اور تعلیمی استعداد کو وسعت دی''۔

''آج آغا خان ایجوکیشن سروسز کے پروگرامز کا مقصد، تعلیمی میدان میں پیش رفت کی راہ میں حائل رکاوٹوں کو کم سے کم کرنا ہے۔ تعلیمی پھیلاؤ کے لئے ادارہ نئے نئے اسکول قائم کررہا ہے۔ ''آغا خان فاؤنڈیشن'' کے تعاون سے یہ ادارہ کمیونٹی کی بنیاد پر اسکولوں کی تعمیر میں مدد فراہم کررہا ہے۔ پاکستان کے شمال میں آغا خان ایجوکیشن سروسز نے لڑکیوں کی تعلیمی سہولیات میں اضافہ کیا ہے۔ یہ ادارہ بنگلہ دیش، بھارت، کینیا، کرغستان، مڈغاسکر اور موزنبیق میں نئے اسکول تعمیر کررہا ہے۔ بنگلہ دیش، بھارت، کینیا، کرغستان، تاجکستان، تنزانیہ، پاکستان اور یوگنڈا میں اسکول اور اداروں کا انتظام نیشنل سروس کمپنیز کے ہاتھوں میں ہے۔ یہی سرگرمیاں افغانستان، مڈغاسکر، موزنبیق اور شام میں بھی شروع کی گئی ہیں''۔

آغا خان ایجوکیشن سروسز۔ گنتی کے صرف ان چند ممالک میں فعال ہے جہاں ان کی کمیونٹی کے افراد بستے ہیں۔ جہاں ان کی کمیونٹی کی تعداد کم ہے، وہاں انہیں تعلیم سے کوئی سروکار نہیں۔ آغا خان ایجوکیشن سروسز کی Website پر 2001ء تک کے اعداد و شمار فراہم کئے گئے ہیں۔ ان اعداد و شمار کے مطابق آغا خان ایجوکیشن سروسز کل سات ممالک میں سرگرم عمل ہے۔ (ان میں مزید تین ممالک کا اضافہ ہو چکا ہے)

درج ذیل چارٹ میں ملک، اسکول، طلبہ اور اساتذہ کی تعداد دی گئی ہے

[illegible]	[illegible]	[illegible]	[illegible]
پاکستان	194	35,204	1,433
بھارت	72	8,344	287
بنگلہ دیش	04	1,065	92
کینیا	15	5,525	353
یوگنڈا	05	1,514	118
تنزانیہ	06	2,528	146
تاجکستان	03	990	45
کل تعداد	303	55,170	2,474

ان اعداد و شمار سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیا میں دی آغا خان ڈیولپمنٹ نیٹ ورک کی

سرگرمیوں کا سب سے بڑا مرکز پاکستان ہے۔ یہاں ان کے تعلیمی ادارے ہی نہیں، صحت عامہ کے مراکز اور دیگر شعبوں کے ادارے بھی سب سے زیادہ تعداد میں موجود ہیں۔ اس کمیونٹی کے سرکردہ افراد کی ہمیشہ سے یہ کوشش ہے کہ ملک کے پس ماندہ خطوں کو اپنا نشانہ بنایا جائے۔

سر آغا خان سوئم نے آغا خان کمیونٹی کے پہلے اسکول کے لئے صوبۂ بلوچستان کے دور افتادہ مقام گوادر کا انتخاب کیا تھا۔ آغا خان کمیونٹی کا پہلا اسکول ۱۹۰۵ء میں گوادر میں قائم کیا گیا تھا۔ اس اسکول کے قیام کو اس سال ایک صدی مکمل ہو جائے گی۔ یہ اسکول گزشتہ ایک سو سال سے اپنے ظاہری اور پوشیدہ مقاصد کی تکمیل میں مصروف ہے۔

ہمارے ملک کا شمالی علاقہ، آغا خان کمیونٹی کا سب سے بڑا مرکز بن چکا ہے۔ شمالی علاقوں اور چترال میں آغا خان ایجوکیشن سروسز کے پونے دو سو سے زیادہ اسکول قائم ہو چکے ہیں اور یہاں زیر تعلیم طلبہ کی تعداد پچیس ہزار سے بھی زیادہ ہے۔

شمالی علاقوں کے بعد آغا خان ڈیولپمنٹ نیٹ ورک سب سے زیادہ توجہ زیریں سندھ میں دے رہا ہے۔ اس کے زیادہ تر اسکول، کراچی، حیدرآباد اور سندھ کے دیہی علاقوں سلطان آباد اور میر پور ساکرو میں موجود ہیں۔ ان میں طلبہ کی تعداد دس ہزار کے لگ بھگ ہے۔

کراچی میں آغا خان ایجوکیشن سروسز کے تحت تین اسکول قائم کئے گئے ہیں۔ پہلا اسکول کھارادر میں قائم کیا گیا جس کا افتتاح ۱۹۲۶ء میں اس وقت کے سندھ کے کمشنر نے کیا تھا۔ کراچی میں دوسرا اسکول گارڈن کے علاقے میں ۱۹۳۹ء میں شروع کیا گیا۔ کراچی میں تیسرے اسکول کا قیام ۱۹۶۵ء میں کریم آباد میں عمل میں لایا گیا۔ اس اسکول میں گیارہویں اور بارہویں جماعتوں کی تعلیم کا آغاز ۱۹۹۵ء سے ہوا۔

یہ حیران کن حقیقت ہے کہ ''سب کے لئے تعلیم'' کا نعرہ بلند کرنے والے آغا خان ایجوکیشن سروسز کے علمبرداروں نے ملک کے سب سے بڑے صوبے پنجاب پر کوئی توجہ نہیں دی، اس کا بنیادی سبب تو یہ ہے کہ صوبۂ پنجاب میں آغا خان کمیونٹی کو پھلنے پھولنے کے بہت کم مواقع ملے۔ اسی لئے اس صوبے میں آغا خان ایجوکیشن سروسز نے صرف ایک اسکول قائم کیا اور وہ اسکول بھی نہ تو لاہور میں ہے، نہ فیصل آباد میں نہ راولپنڈی میں، بلکہ حافظ آباد کے دور

افتادہ مقام پر قائم کیا گیا ہے۔

ہر کام میں آغا خان کمیونٹی کی اولین ترجیح ان کی کمیونٹی ہے۔ آغا خان کمیونٹی نے اس امر کی بڑے پیمانے پر تشہیر کی ہے کہ وہ سو فیصد میرٹ پر عمل پیرا ہیں اور ان کے اداروں میں ہر کارکن مکمل دیانت داری سے مختلف کاموں کو انجام دیتا ہے، اس سلسلے میں آغا خان میڈیکل یونیورسٹی کو ایک مثالی ادارے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، لیکن یہ بس تشہیر ہی تشہیر ہے۔ باوثوق ذرائع کے مطابق آغا خان ڈیولپمنٹ نیٹ ورک سے متعلقہ تمام اداروں میں کمیونٹی کے افراد کو خصوصی اہمیت دی جاتی ہے۔ ان کے لئے میرٹ اور دیگر قواعد بالائے طاق رکھ دیئے جاتے ہیں۔ اندر ہی اندر میرٹ کا قلع قمع کردیا جاتا ہے۔ آغا خان سے وابستہ تمام اداروں میں عموماً آغا خان کمیونٹی کے افراد ہی کو ملازمتیں دی جاتی ہیں، اسی لئے ان اداروں میں پچھتر فیصد سے زیادہ افراد اس ہی کمیونٹی کے ہیں۔

آغا خان میوزک انیشی ایٹو:

(Agha Khan Music initiative in Central Asia.

وسطی ایشیا میں آغا خان میوزک انیشی ایٹو کا آغاز (AKMICA)، ۲۰۰۰ء میں ہوا۔

اس ادارے کے بنیادی مقاصد حسبِ ذیل ہیں۔

☆ کثیر الثقافتی معاشرے (Multicultural World) کے لئے بچوں کی تیاری، تاکہ بچے ہر قسم کے ماحول اور معاشرے میں ماحول کی ضروریات کے مطابق خود کو ڈھال سکیں۔

☆ موسیقی سے متعلقہ تاریخی ورثہ کا تحفظ اور نئی نسل سے فنکاروں، گلوکاروں اور موسیقاروں کی تیاری۔

☆ موسیقی کے فروغ کے لئے کنسرٹس اور موسیقی میلوں کا انعقاد۔

☆ موسیقی کی تعلیم وتربیت کے لئے کتابوں کی اشاعت میں تعاون۔

☆ مختلف ممالک میں AKMICA کے تعاون سے موسیقی کی اکیڈمیوں کا قیام

(اس سلسلے میں تاجکستان میں میوزیکل اکیڈمی اور کراچی میں میوزک کلب کا قیام)

☆ موسیقی کے اساتذہ کی تربیت اور موسیقی میں جدید رجحانات کے فروغ کے لیے خصوصی سیمینارز کا انعقاد، امواد اور فنی تکنیکس میں جدت پیدا کرنا اور نئے نظریات کو متعارف کروانا۔

☆ موسیقی کے روایتی مقامی طریقوں (ڈانس، راگ) کا احیاء اور ان کے استحکام کے لئے اسکولز وغیرہ کا قیام، روایتی موسیقی کی راہ میں حائل رکاوٹوں کی نشاندہی کرنا اور ان کو دور کرنے میں معاونت کرنا۔

☆ مقامی روایات کا فروغ اور استحکام

AKMICA کے تحت ہونے والی سرگرمیاں:

☆ AKMICA کے تحت کابل میں موسیقی کلبوں کے احیاء کی طرف خصوصی توجہ دی جارہی ہے۔ جن کا سابق طالبان دور میں خاتمہ کردیا گیا تھا۔ ایسے موسیقاروں اور اساتذہ کو تلاش کے بعد سامنے لایا جارہا ہے جو طالبان دورِ حکومت میں اندرون اور بیرونِ ملک راہِ فرار اختیار کرچکے تھے۔

☆ AKMICA نے اکتوبر 2004ء میں وسطی ایشیا سے تعلق رکھنے والے چالیس موسیقاروں اور ڈانسروں کے دورہ یورپ کا اہتمام کیا گیا۔ جہاں ان موسیقاروں اور ڈانسروں نے مختلف موسیقی کے کنسرٹس اور میلوں میں شرکت کی۔ اس نوعیت کے ٹورز کا اہتمام AKMICA کے مستقبل کے پروگرام میں شامل ہے۔

☆ ویلنشیا ڈی آرٹ انسٹی ٹیوٹ نے عرب دنیا کی گھریلو ثقافت کو نمایاں کرنے اور فروغ کے لئے جرمن منسٹری آف فارن افیئرز اور آغا خان ٹرسٹ فار کلچر کے تعاون سے ایک بڑی نمائش کا اہتمام کیا۔

یونیورسٹی آف سینٹرل ایشیا:

یونیورسٹی آف سینٹرل ایشیا (UCA) کا نجی شعبہ میں قیام ایک سیکولر ادارے کے طور پر عمل میں لایا جارہا ہے۔ اس کے دائرہ کار میں وسطی ایشیا کے مسلم ممالک خصوصاً پہاڑی

علاقوں کے باشندے شامل ہیں۔ پہاڑی علاقوں میں معاشی اور معاشرتی ترقی اور ثقافتی ورثے کی حفاظت یونیورسٹی کے قیام کے بنیادی مقاصد میں سے ہیں، جبکہ مقامی زبانوں کی ترویج و ترقی کے لئے یونیورسٹی خصوصی پروگرام شروع کر رہی ہے۔ یونیورسٹی اسکول آف انڈر گریجویٹ لبرل کلچر اور سائنس میں ڈگری جاری کرے گا۔ان پروگرامات کا مقصد گورنمنٹ، بزنس، ایجوکیشن کلچر اور سماجی خدمات کے شعبہ میں ایسے رہنماؤں کی تیاری ہے۔ جو بطور نمونہ ان Organizations کو مثالی خطوط پر چلائیں۔اسی طرح پوسٹ گریجویٹ اسکول آف ڈیولپمنٹ آرٹ میں ڈگری کا اجراء کرے گا۔

آغا خان ٹرسٹ فار کلچر:

آغا خان ٹرسٹ فار کلچر ۱۹۸۸ء میں قائم کیا گیا۔ اسے ابتداء میں نجی فاؤنڈیشن کے طور پر جنیوا اور سوئٹزرلینڈ میں رجسٹرڈ کروایا گیا۔ یہ ادارہ آغا خان فاؤنڈیشن کا اہم حصہ ہے۔ تاریخی عمارتوں، پارکوں، یادگاروں کی حفاظت، احیاء اور سیاحت کا فروغ اس کے بنیادی مقاصد ہیں۔آغا خان ٹرسٹ فار کلچر کے تحت دو بڑے منصوبوں پر اس وقت کام ہو رہا ہے۔ جو یہ ہیں۔ The Historic Cities Support Programme اور ایجوکیشن اینڈ کلچر پروگرام۔سٹی سپورٹ پروگرام کا آغاز ۱۹۹۲ء میں کیا گیا جبکہ ایجوکیشن اینڈ کلچر پروگرام کا آغاز ہوا ہے۔ان منصوبوں کے بنیادی مقاصد میں مسلم ممالک کی ثقافت اور اسلامی ثقافت پر تحقیق، سیکولر ایجوکیشن اسلامی ثقافت کی ضروریات پوری کرنے میں مددگار ہے، فن تعمیر کی تربیت میں بہتری، اسلامی فن تعمیر، کلچر اور اسلامی تہذیبوں کو باہم مربوط کرنا، مسلم ثقافت میں تنوع کے متعلق آگاہی شامل ہیں۔ اسی ٹرسٹ کے تحت قاہرہ نیو الازہر پارک ۱۹۹۲ء میں قائم کیا گیا۔

فن تعمیر کی ترقی کے لئے آغا خان ایوارڈ برائے فن تعمیر کا اجراء بھی کیا گیا جس کی انعامی رقم ۵۰ ہزار ڈالر ہے جو اس وقت دنیا میں فن تعمیر پر دیا جانے والا سب سے بڑا انعام ہے۔آغا خان (شاہ کریم) ان دنوں اسی ایوارڈ کے سلسلے میں بھارت کے دورے پر ہیں۔

آغا خان فنڈ فار اکنامکس ڈیولپمنٹ (AKEFD):

آغا خان فنڈ فار اکنامکس ڈیولپمنٹ آغا خان کے معاشی منصوبوں اور فنانشل سروسز کا اہم ستون ہے۔ ان معاشی منصوبوں کا آغاز سلمان محمود شاہ (III) کے دور میں جنوبی ایشیا اور مغربی افریقہ کے ممالک میں مختلف معاشی اداروں کے قیام سے ہوا۔ اس کے تحت اس وقت کئی ممالک میں بینکس، انشورنس کمپنیز اور لیزنگ کمپنیز کام کررہی ہیں۔ مغربی افریقہ میں انشورنس اینڈ بینک، ڈائمنڈ ٹرسٹ بینک، جوبلی انشورنس کمپنی، جبکہ پاکستان اور انڈیا میں ڈیولپمنٹ کریڈٹ بینک اور جوبلی انشورنس کمپنی کام کررہی ہیں۔ جوبلی انشورنس کمپنی پاکستان کی سب سے بڑی انشورنس کمپنی شمار کی جاتی ہے، جبکہ کراچی اسٹاک ایکسچینج میں اپنے حصص کی وجہ سے انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔

پچھلے دنوں حبیب بینک کی نج کاری کے عمل میں حکومت کے ۵۱ فیصد کے حصص آغا خان فنڈ فار اکنامکس ڈولپمنٹ نے ۲۲،۴۰۹ بلین روپے ادا کر کے خرید لئے (Us$ 399. Million) یوں حبیب بینک میں ۵۰ فیصد سے زیادہ حصص رکھنے کی وجہ سے عملاً بینک کے مالکانہ حقوق حاصل کر چکا ہے۔

آغا خان انڈسٹریل پروموشن سروسز (AGIPS):

آغا خان کے معاشی منصوبوں کا اہم بازو انڈسٹریل پروموشن سروسز ہیں۔ اس سروس کا آغاز ۱۹۶۰ء میں ہوا۔ دنیا کے مختلف ممالک میں زرعی، ٹیلی کمیونی کیشن، ٹیکسٹائل، اسٹیل پروڈکشن اور پرنٹنگ کے شعبوں میں ۵۰ سے زائد کمپنیز کام کررہی ہیں۔ فرانس میں بجلی کی پیداوار کے ایک منصوبے پر بھی IPS کے تحت عمل ہو رہا ہے۔ ان کمپنیوں کی بڑی تعداد افغانستان، کینیڈا، بنگلہ دیش اور پاکستان میں واقع ہے۔

آغا خان پلاننگ اینڈ بلڈنگ سروسز:

آغا خان پلاننگ اینڈ بلڈنگ سروسز کا بنیادی مقصد گھریلو عمارتوں کے ڈیزائنز اور فن تعمیر، دیہاتی آبادی کی خصوصی منصوبہ بندی، پانی سپلائی اور دوسری رہائشی سہولیات کی فراہمی

کے ذریعے ماحول میں بہتری پیدا کرنا ہے۔آغا خان فاؤنڈیشن کا یہ ادارہ ۱۹۸۰ء سے پاکستان اور ۱۹۷۰ء سے انڈیا میں کام کررہا ہے۔ پاکستان کے شمالی علاقہ جات میں یہ ادارہ کئی منصوبوں پر کام کررہا ہے۔اسکولوں اوراسپتالوں کی عمارتوں کی تعمیر اوران میں بہتری پیدا کرنا بھی اس کے اہداف میں شامل ہے۔تقریباً ۵۰۰ کلاس رومز کی تعمیر اس شعبے کے تحت عمل میں لائی جاچکی ہے۔

آغا خان ہیلتھ سروسز (AGHS):

آغا خان ہیلتھ سروسز کے تحت پاکستان، انڈیا، کینیا وغیرہ میں ۳۲۵ سے زائد ہیلتھ سینٹرز، ڈسپنسریز، اسپتال، Dignostic Centers اور کمیونٹی ہیلتھ سینٹرز کام کررہے ہیں (پانچ جنرل اسپتال اور سات میٹرنٹی ہوم) بھی اس میں شامل ہیں)

آغا خان یونیورسٹی اسپتال کراچی، آغا خان اسکول آف نرسنگ، آغا خان یونیورسٹی میڈیکل کالج، ڈاکٹرز اورنرسوں کی تیاری میں اہم کردار ادا کررہے ہیں۔



آغا خان امتحانی بورڈ ایک استعماری ایجنڈا

سلیم منصور خالد

جب گھر کے چوکیدار، طاقت کے زور پر گھر کے مالک بن کر من مانے فیصلے کرنے لگیں تو اس گھر کے مکینوں کو سوچنا پڑتا ہے کہ وہ کس پُرامن طریقے سے اپنے ان کرم فرما ملازموں سے گھر کو واگزار کرائیں۔ یہ معاملہ ایک گھر کا ہو تو تکلیف دہ اور اگر ایک قوم کے ساتھ ہو تو المناک ہوا کرتا ہے۔

پاکستان میں ملازمین ریاست نے (چاہے وہ باوردی ہوں یا بے وردی) اُسی قوم کو اپنے جبر و زیادتی کا نشانہ بنایا ہے، جس قوم نے سخت قربانیوں کے ساتھ ان کی شان و شوکت کا بندوبست کیا اور اختیار کی امانت ان کے سپرد کی۔ یہ ملازمین بنیادی طور پر عوام کے مسائل و معاملات سے لاتعلق نہیں تو ان سے بے بہرہ ہونے کی ایک طویل تاریخ ضرور رکھتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ اُن کی پیشہ ورانہ تربیت کا استعماری پس منظر ہے۔

بہر حال ایسے لوگ جب اقتدار کے سرچشموں کو اپنی مرضی کے مطابق چلانا شروع کرتے ہیں تو کبھی اس کا قبلہ درست کرنے پر تل جاتے ہیں اور کبھی اس کی تاریخ ٹھیک کرنے کی فکر میں غلطاں ہوتے ہیں۔ ایسے میں کچھ خود ساختہ حکمران، فکری بونوں اور سیاسی بالشتیوں میں کھڑے ہو کر جب اپنے عقلِ کل ہونے کا اعلان کرتے ہیں تو بے اختیار کسی دل جلے کے ہونٹوں سے آہ پھوٹ پڑتی ہے۔ ایسے میں یہ عقلِ کل صاحبان اپنے ایسے بےنوا ہم وطنوں کو ''کچل دینے'' کی دھمکی سے کم پر نہیں رکتے۔ ایسے ہی عقلِ کل حکمرانوں نے پاکستان کے سیاسی مستقبل کو خدشات و خطرات کا شکار کرنے کے ساتھ ساتھ تعلیمی مستقبل کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ قومی نظامِ تعلیم کے ساتھ جس کھیل تماشے کا انھوں نے آغاز کیا ہے، اس پر ہر محبِ وطن شدید صدمے کی کیفیت سے دوچار ہے، تاہم قوم کو صدمے کی کیفیت سے نکل کر اس مسئلے کا حل تلاش کرنا ہے۔

پاکستان کے دوسرے فوجی حکمران:

جنرل یحییٰ خان کے زمانے سے اسماعیلی فرقے کے سربراہ آغا کریم خاں صاحب کو پاکستان میں سرخ قالین پر استقبال کرانے والے ''شہنشاہ معظم'' کا رتبہ حاصل ہے، حالانکہ ان کے پاس کوئی ریاست اور کوئی حکومت نہیں۔ عجیب وغریب عقائد ونظریات کے حامل اس عالمی استعماری گروہ نے فی الواقع پاکستان میں ریاست در ریاست قائم کرنے کے لئے شمالی علاقہ جات کو اپنا مرکز بنایا۔ اپنے عقائد کے اعتبار سے اسماعیلی، قادیانیوں سے قریب تر ہیں کہ ان کے حاضر امام صاحب، پیغمبرانہ اقتدار رکھتے ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ انہی اسماعیلیوں کو اکثر ہمارے حکمران ''سب سے اچھا پڑھا لکھا اور روشن خیال مسلمان'' قرار دیتے ہیں۔

۱۹۸۳ء میں تیسرے فوجی حکمران جنرل محمد ضیاء الحق مرحوم نے آغا خان فاؤنڈیشن کو کراچی میں ایک میڈیکل یونیورسٹی کھولنے کی اجازت عطا کی۔ اس تعلیمی ادارے نے بے پناہ فنڈز رکھنے کے باوجود نہایت مہنگے داموں میڈیکل تعلیم کا چراغ روشن کیا۔ اس مضمون میں یہ مسئلہ زیرِ بحث نہیں کہ کس طبقے کے کتنے بچوں نے یہاں سے تعلیم حاصل کی اور پھر ان میں سے کتنے فیصد ڈاکٹر صاحبان، پاکستان میں خدمت انجام دینے کے لئے رکے رہے۔ اس موضوع پر حقائق سامنے لائے جائیں تو خود بخود یہ حقیقت کھل جائے گی کہ یہ ادارہ اپنے حتمی نتائج کے اعتبار سے پاکستان کے بجائے دوسروں کی خدمت پر کمربستہ ہے۔ اس ادارے نے میڈیکل سائنس اور صحت کے میدان میں اگر کوئی نمایاں نتائج دیئے ہیں، تو اس بات سے یہ نتیجہ کیسے اخذ کیا جاسکتا ہے کہ یہ ادارہ پاکستان بھر کے 15 کروڑ لوگوں کے بچوں کو بھی تعلیم دینے کی اہلیت اور قابلیت رکھتا ہے۔

اکتوبر ۲۰۰۲ء میں عام انتخابات ہوئے۔ قوم نے اپنے نمائندے چن لئے، لیکن جنرل پرویز مشرف نے ۸ نومبر ۲۰۰۲ء کو اپنے دستخطوں سے ایک ''غیر معمولی آرڈیننس'' (CXIV/2002) منظور کیا، جسے ''دی گزٹ آف پاکستان'' کے صفحات ۱۷۳۱ تا ۱۷۳۵ پر دیکھا جاسکتا ہے۔ یوں قوم کے مستقبل پر ایک خطرناک ایکشن لیا گیا۔ افسوس کہ اہلِ سیاست اور اہلِ قانون اس آرڈیننس کی نزاکت سے بے خبر رہے۔ اب یہ آرڈیننس اپنی تمام حشر سامانیوں کے ساتھ قوم کے فکری، تاریخی، دینی اور معاشی مستقبل پر شب خون کا درجہ رکھتا ہے۔

اس آرڈیننس کو تیار کرنے والے شہ دماغ بخوبی جانتے ہیں کہ کسی معاشرے اور قوم کے وقار اور خودی کو مسخر کرنے اور اسے ہمہ پہلو غلامی میں جکڑ لینے کا سب سے کامیاب گر، تعلیم پر کنٹرول ہے۔

یہاں پر آغا خان یونیورسٹی ایگزامینیشن بورڈ (AKU-EB) کے اس آرڈیننس کی چند شقیں پیش کی جارہی ہیں، جن کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

- مزید ہرگاہ کہ: آغا خان یونیورسٹی، پاکستان کے اندر اور باہر تعلیم کی ترقی کو مشن کے طور پر اپنائے ہوئے ہے...... مذکورہ یونیورسٹی ضروری بصیرت، مہارت، تجربہ اور متعلقہ انتظامی صلاحیت رکھتی ہے۔
- ہرگاہ کہ: آغا خان یونیورسٹی نے حکومت پاکستان کو قومی مفاد میں اعانت فراہم کرنے پر آمادگی ظاہر کی ہے، جسے سرکاری اور نجی سطح پر باہم شراکت فراہم کی جائے گی۔

لہٰذا، صدر پاکستان ۱۴ اکتوبر ۱۹۹۹ء کے ہنگامی حالت کے نفاذ کے حکم اور عبوری دستور کے حکم نمبر۹، ۱۹۹۹ء کے تحت حاصل کردہ اختیارات کے تحت درج ذیل آرڈیننس جاری کرتے ہوئے خوشی محسوس کرتے ہیں:

- آرٹیکل (۱) اس آرڈیننس کو ''آغا خان یونیورسٹی ایگزامی نیشن بورڈ ۲۰۰۲ء'' کہا جائے گا۔ (۲) یہ پورے پاکستان پر محیط ہوگا۔ (۳) یہ فوری طور پر نافذ العمل ہوگا۔

۳۔ ایگزامینیشن بورڈ کا قیام:

آغا خان یونیورسٹی، وقت، طریق کار کے لحاظ سے اپنی کلی صوابدید پر آغا خان امتحانی بورڈ قائم کرے گی۔

- یہ امتحانی بورڈ مکمل طور پر خودمختار اور اپنے مقاصد کے حصول کے لئے قواعد وضع کرنے میں بھی کامل طور پر آزاد ہوگا۔
- آغا خان یونیورسٹی، اپنے کلی اختیار (Sole Discretion) کے تحت امتحانی بورڈ کو پرائیویٹ امیدواروں، پاکستان اور پاکستان سے باہر کے غیر سرکاری اسکولوں اور ان کے طالب علموں کو امتحانات کی پیشکش قبول کرنے کی ہدایت کرسکتی ہے۔ جس کے لئے شرائط کا تعین آغا خان 570 یونیورسٹی کے وضع کردہ ضابطوں کے تحت کیا جائے گا۔

- وفاقی حکومت پاکستان کے زیر انتظام اسکولوں اور ان کے طالب علم، بشمول اسلام آباد کے وفاقی علاقے، وفاق کے زیر انتظام قبائلی (فاٹا) شمالی علاقہ جات (فانا) اور چھاؤنیوں کے علاقے، امتحانی بورڈ کے امتحانات کو طے شدہ شرائط پر اختیار کر سکتے ہیں۔
- امتحانی بورڈ، قومی نصاب کی روشنی میں کام کرے گا۔
- آغا خان یونیورسٹی کے وضع کردہ طریق کار کے مطابق امتحانی بورڈ اپنے امتحانات کے حدود کو سرکاری اسکولوں تک وسعت دینے کا مجاز ہوگا، جس کے لئے وفاقی یا صوبائی حکومتوں سے اجازت درکار ہوگی۔
- امتحانات کی نگرانی: امتحانی بوڈ کا بورڈ آف ڈائریکٹرز ہوگا، جو بورڈ آف ٹرسٹیز کے ماتحت کام کرے گا۔ امتحانی بورڈ کے سربراہ کا تقرر یونیورسٹی کے منتظم اعلیٰ آفیسر کی جانب سے کیا جائے گا۔
- انٹر بورڈ کمیٹی کے چیئرمینوں کا چیئرمین یا اس کا نامزد نمائندہ، بورڈ کا ممبر ہوگا۔
- امتحانی بورڈ کو معقول حد تک امتحانات کی فیسیں عائد کرنے کا اختیار ہوگا۔
- اس آرڈیننس کے تحت نیک نیتی سے کئے گئے تمام کام کسی قسم کے عدالتی دعوؤں اور قانونی کارروائیوں سے محفوظ ہوں گے۔

جنرل پرویز مشرف (صدر)

اس آرڈیننس کی مختلف شقوں سے مسئلے کی نزاکت پوری طرح سامنے آجاتی ہے۔ مذکورہ بالا ضابطے کا جائزہ لیں تو معلوم ہوتا ہے:

- جنرل مشرف صاحب نے یہ کام ''قومی مفاد'' میں کیا ہے۔
- جنرل مشرف صاحب کے خیال میں آغا خان یونیورسٹی، پاکستان کے اندر اور پاکستان سے باہر: بصیرت، مہارت، تجربے اور انتظامی صلاحیتوں کا قابلِ قدر اثاثہ رکھتی ہے۔ اب یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ کس پیمانے سے موصوف کو ان صلاحیتوں کی وسعت کا اندازہ ہوا (اور کیوں پاکستانی یونیورسٹیوں کے ان قابلِ قدر اساتذہ کی عظمت، ہمارے حکمرانوں کو معلوم نہیں ہوسکی کہ جنھوں نے سائنس، ایٹم، زراعت اور طب کے شعبوں میں عظیم الشان خدمات انجام دی ہیں)۔

- یہ کام آغا خان فاؤنڈیشن کے ساتھ سرکاری طور پر باہم اشتراک سے انجام دیئے جائیں گے (یہ اعتراف ہے کہ تعلیم کے میدان میں خود پاکستان کی حکومت اور انتظامیہ بالکل ناکام ہے)۔
- اس بورڈ کو پورے پاکستان میں اپنے دائرے کو وسیع کرنے کا حق دیا گیا ہے جو کلی طور پر اپنی صوابدید پر کام کرے گا (یاد رہے کہ خود پاکستان کے وفاقی بورڈ کے علاوہ کوئی بھی امتحانی بورڈ، اپنے علاقے سے باہر کسی دوسرے ڈویژن کے تعلیمی اداروں کو وابستہ نہیں کرسکتا) یعنی اس قانون کے تحت اسلامیان پاکستان کے پاس، آغا خان بورڈ سے سوال کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔ وہ بورڈ کی انتظامی مشینری میں جسے چاہیں رکھیں۔ ایسا اہلکار، یہودی پس منظر کا حامل ہو یا کسی عیسائی مشنری کا صلاح کار، یہ طے کرنا آغا خان گروپ کے اختیار میں ہے اور وہی یہ طے کرے گا کہ پاکستان کے مستقبل کو کس رنگ میں رنگنا ہے اور کن شرائط پر کون سی تعلیم دینی ہے۔
- ایک طرف بورڈ کی خودمختاری اور آزادی کا یہ چارٹر ہے اور دوسری جانب پاکستان کے دینی مدارس کی خودمختاری سلب کرنے کے لئے بے چینی۔
- یہ بورڈ اپنے ہی طے کردہ اصول وضوابط کے تحت پاکستان کے اندر اور پاکستان سے باہر کے تعلیمی اداروں کو اپنے ساتھ وابستہ کرنے کا کھلا اختیار رکھے گا۔
- آرٹیکل ۳ (شق ۴ کے تحت) جنرل مشرف نے اس بورڈ کو وفاقی قبائل، شمالی علاقہ جات کے ساتھ ساتھ چھاؤنی کے علاقوں تک اپنا دائرہ کار وسیع کرنے کا حق دیا ہے۔
- کہا گیا ہے کہ امتحانی بورڈ ''قومی نصاب کی روشنی میں کام کرے گا'' لیکن اس کے پیش کردہ نصابی خاکے، جنہیں آغا خان یونیورسٹی امتحانی بورڈ کے ڈائریکٹر، ڈاکٹر تھامس کرسٹی (Thomas Christie) نے شائع کیا ہے، واضح طور پر قومی نصاب تعلیم سے مختلف رُخ پر رواں دواں دیکھے جاسکتے ہیں۔ تاریخ، سیاسیات، ادب اور علوم اسلامیہ کے نصابی خاکے دیکھنے کے بعد ایسی تمام بے جا خوش فہمیاں دور ہوجاتی ہیں، جنہیں گوری اقوام یا ان اقوام کے ذہنی غلاموں کے ہاتھوں مشتہر کیا جاتا ہے۔ اب اگر احتجاج کے نتیجے میں یہ لوگ کچھ تبدیلی کربھی لیں تو اس امر کی کوئی

ضمانت نہیں ہے کہ گرفت مضبوط بنانے کے بعد وہ کل کون کون سی من مانیاں نہ کریں گے۔ کیونکہ منظور کردہ آرڈیننس انہیں کسی قسم کی جواب دہی سے بالاتر قرار دیتا ہے۔

- خود یہ آرڈیننس متضاد بیانات کا مجموعہ ہے۔ ایک جگہ اسے نجی دائرے تک محدود بتایا گیا ہے، مگر دوسری جانب اسے سرکاری تعلیمی اداروں کو اپنی گرفت میں لینے کا اختیار بھی دے دیا گیا ہے۔ حالانکہ پاکستان کے تعلیمی قوانین کے مطابق کوئی سرکاری ادارہ، کسی نجی ادارے سے وابستہ نہیں ہوسکتا۔ لیکن یہاں پر (حکومت کی بے معنی اجازت سے مشروط کر کے) سرکاری تعلیمی اداروں کو آغا خانی کو چہ گردی کا میدان بنادیا گیا ہے۔ فیسوں کا تعین کرنے کا حق بھی آغا خان بورڈ کی ''نیک نیتی'' پر چھوڑ دیا گیا ہے اور نیک نیتی سے کیے گئے ان کے کسی بھی اقدام کو پاکستانی عدالتوں میں چیلنج نہیں کیا جاسکے گا۔ ریاست در ریاست قائم کرنے کا یہ حق اس گروہ کو دیا جارہا ہے، جو مغربی استعمار کی من پسند ٹیم پر مشتمل ہے اور جس گروہ کے فری میسن سے تعلقات کوئی راز کی بات نہیں۔ وہ گروہ کہ جو پاکستان کے سیاسی اقتدار میں رسوخ حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ شمالی علاقہ جات کو اسٹراٹیجک کنٹرول میں لینا چاہتا ہے (یاد رہے کہ پاکستان کی قومی، دینی اور سماجی پارٹیوں نے آغا خان کی جملہ معاشی سرگرمیوں سے اختلاف کے باوجود کبھی کھل کر بے چینی کا اظہار نہیں کیا۔ لیکن جب وہ ایک قدم آگے بڑھ کر ان کے دینی، قومی اور سماجی مستقبل کونشانہ بنانے کے لئے امریکی ٹیم کا ہراول دستہ بن کر آگے بڑھیں گے تو اہلِ پاکستان میں اضطراب کا پیدا ہونا فطری امر ہے)۔ اس گروہ کو پاکستان کی نئی نسل پر کنٹرول کا حق دے دیا گیا ہے۔ یہ حق تو صومالیہ، نیپال، ہیٹی تک کے درجے کے ملک نے بھی کسی نام نہاد این جی او کونہیں دیا، لیکن یہ کیا تماشا ہے کہ دنیا کی پہلی مسلم ایٹمی قوت، پاکستان کا مستقبل طشتری میں رکھ کر ان لوگوں کے سپرد کررہی ہے، جو اپنے مقاصد، اہداف، مذہبی اور سیاسی سوچ ہر اعتبار سے، خود اس پاکستانی قوم کے سامنے جواب دہ نہیں ہیں۔ صد افسوس کہ آغا خان امتحانی بورڈ اپنے مقاصد اور اہداف کے اعتبار سے، پاکستان پر دراصل ایک ایسا نظریاتی اور سیاسی حملہ ہے، جس کی شدت سے نہ اہلِ سیاست باخبر ہیں اور نہ اہلِ دانش ہی اس طرف متوجہ ہیں۔

☆......☆......☆

اکتوبر ۱۹۹۹ء میں اقتدار پر کنٹرول کرنے والے افراد نے اخلاقی جواز نہ رکھنے کے باعث کئی قسم کے بیرونی دباؤ قبول کیے اور کئی حوالوں سے، خود دشمن کو بھی حیران کر کے شادی مرگ میں مبتلا کر دیا۔ اسلام آباد کے باخبر سرکاری حلقے تسلیم کرتے ہیں کہ دسمبر ۱۹۹۹ء سے استعماری مفادات کی حامل این جی اوز نے بڑی تیزی کے ساتھ مختلف وزارتوں اور پالیسی ساز اداروں میں اپنا عمل دخل بڑھا لیا ہے۔ یوں رفتہ رفتہ پالیسی سازی اور پالیسی دستاویزات کی تیاری میں حیرت ناک حد تک اختیار حاصل کر لیا، بلکہ ۲۰۰۰ء کے اواخر تک اس حق کو ایک ''اعلیٰ قدر'' کے طور پر تسلیم بھی کرا لیا۔ ڈی ویلیوایشن پلان یا ''اختیارات کی تقسیم پروگرام'' کی ظاہری خوش نمائی کے باوجود اس کی داخلی بدنمائی نے قومی مرکز ثقل کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔

۲۰۰۱ء میں حکومت نے بڑی تیزی کے ساتھ ایجوکیشن سیکٹر ریفارم کے نام پر سال بہ سال چھوٹی چھوٹی تعلیمی پالیسیاں جاری کرنا شروع کیں۔ حالانکہ اس سے قبل تعلیم کے حوالے سے یہ طے شدہ امر تھا کہ پالیسی واضح طور پر مشتہر کی جائے کہ اہلِ حل وعقد، تعلیم کے میدان میں آئندہ کیا کرنے جا رہے ہیں۔ لیکن فوجی حکمرانوں نے اتنے اہم اسٹراٹیجک شعبے کو بے سروپا انداز میں چلانا شروع کیا۔ ۲۰۰۲ء میں آغا خان یونیورسٹی کے نمائندے مسٹر شمس قاسم لاکھا کی نگرانی میں پاکستان کے اعلیٰ تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں کے نظام کو اُدھیڑ کر رکھ دیا۔ پھر اسی سال آغا خان امتحانی بورڈ کو رات کی تاریکی میں پاکستان بھر کے تعلیمی مستقبل کا مستقل مالک بنا دیا گیا۔

بعد ازاں امریکی ادارے، یونائیٹڈ اسٹیٹس ایجنسی فار انٹرنیشنل ڈیولپمنٹ (USAID) نے آغا خان یونیورسٹی سے ۱۳ اگست ۲۰۰۳ء کو کراچی میں ایک معاہدہ کیا، جس پر امریکی سفیرہ نینسی پاول اور آغا خان یونیورسٹی کے نمائندے شمس قاسم لاکھا نے دستخط کیے۔ اس تقریب میں اس وقت کی وفاقی وزیر تعلیم زبیدہ جلال صاحبہ (جنھیں امریکی حکومت ''ونڈر فل لیڈی'' کے طور پر یاد کرتی ہے) اور سندھ کے سابق وزیر تعلیم عرفان اللہ مروت بطور سرکاری گواہ موجود تھے۔ ان دستخطوں سے حکومتِ امریکہ نے آغا خان یونیورسٹی کو اپنے امتحانی بورڈ کی تعمیر و ترقی کے لیے ۴۵۰ لاکھ ڈالر عطا کیے۔ اسی تقریب میں امریکی سفیرہ نے یہ ''خوشخبری'' بھی سنائی کہ: ''جب تک یہ (آغا خان) بورڈ اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو جاتا اسے امداد دی جاتی رہے گی''۔ ہدف

یہ مقرر ہوا کہ پاکستان بھر کے اعلیٰ وثانوی تعلیمی بورڈ، آغا خان بورڈ کے قبضۂ اختیار میں چلے جائیں۔

آغا خان امتحانی بورڈ نے آغاز کار میں صرف 3 ہزار 8 سو روپے رجسٹریشن فیس فی طالب علم مقرر کی ہے، جسے ہر طالب علم نومبر ۲۰۰۴ء تک ادا کرے گا۔ (یاد رہے کہ سرکاری تعلیمی بورڈ میں یہ فیس ۳۰۰ روپے ہے)۔ بعد ازاں امتحان کے لئے فیس الگ سے لی جائے گی اور وہ بھی چار ہزار ہوگی۔ کیا عام طالب علم اتنی فیس ادا کر سکے گا؟ موجودہ تعلیمی بورڈوں میں امتحانی فیس میٹرک کے لئے ۷۰۰ روپے اور انٹرمیڈیٹ کے لئے ۹۰۰ روپے ہے۔ تعلیم کو سستا کئے بغیر معاشرے میں تعلیم عام نہیں ہوسکتی۔ دنیا کے کسی بھی ملک میں تعلیم عام کرنے کا ہدف سرکاری سرپرستی اور اعانت کے بغیر ممکن نہیں ہوا، لیکن یہاں پر تعلیم کی زمامِ کار ساہوکاروں اور کثیر قومی کارپوریشنوں کے ہاتھ میں دے کر ''روشن پاکستان'' (رائزنگ اور توانا پاکستان) بنانے کا خواب دیکھا جا رہا ہے۔

چند ماہ پیشتر وفاقی وزارتِ تعلیم، قومی ادارہ نصابات (نیشنل کریکولم ونگ) اور صوبائی درسی کتب بورڈوں کے ہاتھوں جہالت پر مبنی جن غلطیوں پر قوم سراپا احتجاج بنی، واقعہ یہ ہے کہ اس احتجاج نے جہاں ان اداروں پر سے قوم کے اعتماد کو مجروح کیا ہے، وہیں حکومت اپنے منصوبے کے مطابق، خود نصاب اور ٹیکسٹ بک بورڈوں ہی کے وجود پر فاتحہ خوانی کے لئے تیار دکھائی دیتی ہے۔ نصابی کتب کی ڈی ریگولیشن دراصل قومی نصابی عمل کو ختم کرنے کا واضح طور پر غیر دانش مندانہ اعلان ہے۔ قوم نے اپنے نصابی اداروں کو ٹھیک کرنے کے لئے آواز بلند کی، جسے عملاً دبا دیا گیا اور محض چند سطروں کی اصلاح اور دو تین مضامین کو حذف کرنے کے سوا تمام کا تمام متنازع نصاب درس گاہوں میں آج بھی موجود ہے اور قومی نمائندے اس سارے ظلم سے بے خبر، لاتعلق اور غیر متعلق ہیں۔ پارلیمنٹ میں اس موضوع پر ایک دو بار بات ہوئی اور حکومتی ترجمانوں کے مبہم، جھوٹے اور متضاد بیانات سن کر، قوم کے نمائندے مطمئن ہو گئے۔

اب، جبکہ آغا خان بورڈ، امریکی امداد اور حکومت پاکستان کی سرپرستی میں امتحانی نظام پر مرحلہ وار قبضہ کر رہا ہے، تو پھر لامحالہ یہی بورڈ اپنا نصاب خود بنائے گا، خود پڑھائے گا اور اسی کے مطابق امتحان لے گا۔ اس کے نصاب یا مالی طریق کار اور پیمائشی نظام پر قوم کے نمائندوں کا کوئی اختیار نہیں ہوگا۔ اس ضمن میں قوم کو دھوکا دینے کے لئے حکمران غیر منطقی بیانات دے

رہے ہیں۔ کہا یہ جاتا ہے کہ یہ بورڈ ''قومی نصاب کے مطابق کام کرے گا'' (اور آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے مختلف جگہ پر آغا خان امتحانی بورڈ نے یہ لکھا بھی ہے) تاہم ''قدم قدم پہ'' یہ اعلان بھی کرتے جارہے ہیں کہ ''ہم وہی کریں گے جو ہم چاہیں گے''۔

مثال کے طور پر آغا خان بورڈ نے الحاق کے لئے جو شرائط نامہ جاری کیا ہے، اس کی شق ۳ء۳ کے مطابق کہا گیا ہے: ''اسکول لازماً اسی قومی نصاب کو اختیار کریں گے، جسے آغا خان یونیورسٹی امتحانی بورڈ جاری کرے گا''۔ اس شق میں بظاہر لفظ ''قومی'' سے یہ دھوکا ہوتا ہے کہ یہ پاکستان کا طے شدہ قومی نصاب ہوگا، لیکن خود اس جملے کی ساخت بتاتی ہے کہ یہاں مراد وہ ''قومی'' نصاب ہے، جسے آغا خان بورڈ ''قومی'' قرار دے گا۔ اس معاملے کو ایک دوسری مثال سے دیکھیے: آغا خان بورڈ نے میٹرک کے لئے اسلامیات کے جس نصابی خاکے کو جاری کیا ہے، اس کے ابتدائیے میں وعدہ کیا ہے کہ ''پاکستان کے نصابی شعبے کی ہدایات کی روشنی میں نصاب تیار کیا جائے گا''۔ لیکن اس کے صفحہ ۵ پر پہنچتے ہی اعلان کیا گیا ہے: **''قومی مقاصد کے مطابق، اسلامیات کا نصاب وضع کرنے کے لئے، زیتونہ یونیورسٹی، تیونس سے رہنمائی لی جائے گی''۔ سوال یہ ہے کہ تمام اسلامی ممالک کو چھوڑ کر تیونس ہی کی مثال کیوں؟**

اس لئے کہ وہاں کے ''ماڈریٹ اور روشن خیال'' آمر مطلق حبیب بورقیبہ نے ۹۸ فیصد آبادی کے مسلمان ملک میں جبری طور پر روزے پر پابندی لگانے اور اسکارف و حجاب کو جبراً ممنوع قرار دینے کے علاوہ مسجدوں میں خطبہ و نماز پر اپنے من مانے احکام چلانے شروع کر دیے۔ قوم کو عریانی اور یورپی اقوام کی تفریحی شکارگاہ بنانے کے لئے اقدامات کئے۔ تفصیل جاننے کے لئے مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مرحوم کی کتاب مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش دیکھی جاسکتی ہے۔ بلکہ قرآن و سنت کے بتائے ہوئے اسلام کو چھوڑ کر، حکومت کے بعض مؤثر لوگوں کو تیونس کا ''لبرل اسلام'' پسند ہے تو اس کی ایک خاص وجہ ہے۔ نماز، روزے سے نجات، شراب اور ڈانس پارٹیوں کی فراوانی کا کلچر، عریانی و آوارگی کا چلن...... مزید یہ کہ اسی ''ماڈرن اسلامی'' تیونس میں حجاب اختیار کرنے والی مسلمان خواتین پر اعلیٰ تعلیم و ملازمت کے دروازے بند ہیں۔ یہ ہے تیونس کے ''لبرل اسلام کی منزل''۔ ایسے ہی جابر اور آمر حکمرانوں کی رہنمائی میں تیار کردہ ''اسلامیات'' آغا خان امتحانی بورڈ کو پسند ہے۔ آغا خان

بورڈ نے اسلامیات کے لئے میٹرک کا جو نصاب پیش کیا ہے، اس میں قرآن کے متن کو تلاش کرنے کے لئے خوردبین کی ضرورت ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود کہا گیا ہے کہ ''پاکستان کے قومی نصاب کی روشنی میں نصاب تیار کیا جائے گا''۔ کیا نصاب میں قرآن سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے ''تیونس کے اسلام'' بذریعہ آغا خان کا یہی ایکشن مناسب ہے؟

یہی صورتحال تاریخ، مطالعہ پاکستان اور ساجیات و ادب کے دیگر مضامین میں روا رکھی گئی ہے۔

امریکہ و یورپ نے پہلے پہل یہ کہا کہ دینی مدارس سے دہشت گردی پیدا ہو رہی ہے، بعد میں یہ کہنا شروع کیا: ''جدید تعلیم کے اداروں سے دہشت گرد پیدا ہو رہے ہیں''۔ اس لئے مغرب کے بھتے (پے رول) پر کام کرنے والی این جی اوز نے گزشتہ چار برس سے اس پروپیگنڈے کا آغاز کیا کہ: ''دو قومی نظریہ نفرت کی علامت ہے، محمد بن قاسم نے چوری چھپے حملہ کر کے وطن کے بیٹے راجہ داہر جیسے بے ضرر انسان کو خواہ مخواہ شکست دی۔ ہندوستان پر قبضہ کرنے والے انگریز ماضی کی داستان تھے اور آج کے انگریز دوسری چیز ہیں جو ہمارے دوست ہیں، اس لئے انگریزی سامراج کے خلاف حصے نصاب سے خارج ہونے چاہئیں۔ میجر طفیل، راجہ عزیز بھٹی اور دیگر نشانِ حیدر رکھنے والے افراد کا تذکرہ بھی خارج از نصاب قرار دیا جائے، کیونکہ اس طرح بے جا طور پر ہندوؤں سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ محمود غزنوی اور غوری حکمرانوں کا ذکر بھی ہندو کے خلاف نفرت پیدا کرتا ہے۔ نہرو اور کانگریس کے خلاف بھی مواد حذف کیا جائے۔ اصل اسلام صوفیوں نے پیش کیا۔ علامہ اقبال کے کلام کو بھی جتنا ہو سکے کم کر دیا جائے۔ اسی طرح حضرت فاطمہؓ، حضرت خدیجہؓ، حضرت عائشہؓ کے ذکر کے بجائے بلقیس ایدھی اور عاصمہ جہانگیر وغیرہ کو رول ماڈل (خاکم بدہن) کے طور پر پیش کرنے کے لئے پیش رفت کی جائے (بلکہ ایسا کر بھی دیا)۔ صحابہ کرامؓ بڑے ''لبرل'' تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے مسلمانوں اور یہودیوں پر مشتمل ایک تاریخی معاہدہ کیا جس سے مسلم اور یہودی اسلامی ریاست کے شہری بن گئے''...... ان چیزوں کو روبہ عمل لانے کے لئے ایک حد تک سرکاری ٹیکسٹ بک بورڈوں کو استعمال کیا گیا اور آئندہ یہ کام زیادہ یکسوئی کے ساتھ کرنے کے لئے آغا خان بورڈ کے ذمے لگایا گیا ہے۔

اسی قبیل کے ہیومن رائٹس کمیشن آف پاکستان کے ترجمان جہد حق (اگست ۲۰۰۴ء)

نے تو یہ لکھا ہے: ''اب وقت آن پہنچا ہے کہ جنوبی ایشیا کے لئے ایک مشترکہ کتاب کے طور پر برصغیر کی تاریخ مرتب کی جائے...... بچوں کو بجائے اس کے کہ کسی واحد سرکار کی طرف سے منظور کردہ آلائشوں سے پاک سچائی سے روشناس کرایا جائے، انہیں ہر قسم کے نظریات سے واقفیت کرائی جائے۔ ''نظریہ پاکستان'' جس سے یہ ''پاکستان'' چمٹا ہوا ہے، وہ بھارت کے لئے حکمران فوجی اور دائیں بازو سے تعلق رکھنے والے مذہبی گروہوں کی نفرت سے کسی حد تک علیحدہ ہونا چاہئے۔ صوبائی ٹیکسٹ بک بورڈ، جن کی اجارہ داری ہے نظریاتی چوکیداروں کے فرائض سرانجام دیتے ہیں اور تابع دار مصنفین کی سرپرستی کرتے ہیں''۔ (ص ۸)

اس سال کے آغاز میں، حکومت نے ان تمام وعدوں کو پس پشت ڈال کر، کہ آغا خان بورڈ تو بنیادی طور پر نجی تعلیمی اداروں کے لئے ہے، سب سے پہلا وار وفاق کے زیرِ انتظام تعلیمی اداروں پر کیا۔ جنوری ۲۰۰۴ء میں اس حوالے سے سرگرمی سے کام شروع کیا گیا، جس پر اسلام آباد کے شہریوں کی بے چینی کو زبان دیتے ہوئے روزنامہ دی نیشن، اسلام آباد نے اپنی رپورٹ (۹ فروری ۲۰۰۴ء) میں بتایا: ''حکومت نے وفاقی تعلیمی بورڈ (FBISE) آغا خان بورڈ سے منسلک کرنے کا منصوبہ بنالیا ہے۔ اس مقصد کے لئے وفاقی وزیر تعلیم زبیدہ جلال اور فیڈرل ڈائکٹوریٹ آف ایجوکیشن کے ڈائریکٹر جنرل بریگیڈیئر (ر) مقصود الحسن نے سرگرمی سے دباؤ بڑھانا شروع کیا۔ لیکن والدین اور اساتذہ کی انجمن نے اس امر کی مخالفت کی، اور ۲۰ جنوری کو اجلاس میں مزاحمت کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس منصوبے پر دو طریقے سے عمل کیا جائے گا۔ پہلے والدین کو اختیار دیا جائے گا کہ وہ ایک ہی تعلیمی ادارے میں اپنے بچے کو آغا خان بورڈ کے تحت امتحان دلانا چاہتے ہیں یا نہیں، جبکہ دوسرے مرحلے میں اس ادارے کے سب بچوں پر لازم کردیا جائے گا کہ وہ آغا خان بورڈ ہی کو منتخب کریں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نہم دہم کا امتحان ایک ہی مرتبہ لیا جائے۔ کسی سرکاری تعلیمی ادارے کو کسی پرائیویٹ ادارے کے زیرانتظام منسلک کرنا مکمل طور پر غیر قانونی فعل ہے۔ کہا یہ جاتا ہے کہ آغا خان بورڈ کے فارغ التحصیل طلبہ کو بیرون پاکستان آسانی سے داخلہ مل جائے گا، لیکن سوال یہ ہے کہ کتنے طلبہ بیرون ملک تعلیم حاصل کرنے جاتے ہیں اور اس معمولی تعداد کے لئے کیا پورے پاکستان کے بچوں کو اس مہلک سسٹم میں دھکیل دینا کوئی عقل مندی کی بات ہوگی''۔

تاحال وفاقی تعلیمی بورڈ پر گرفت مضبوط بنانے کے لئے آغا خان بورڈ ہاتھ پاؤں مار رہا ہے، جبکہ وفاقی بورڈ میں قومی درد رکھنے والے چند افسر مزاحمت کررہے ہیں۔ دوسری جانب پنجاب کے بورڈوں کے چیئرمینوں نے بھی سردست آغا خان بورڈ کے سامنے ہتھیار نہ پھینکنے کا فیصلہ کیا ہے، لیکن یہ مزاحمت بڑی حد تک علامتی ہے، جو ملی درد رکھنے والے افراد کررہے ہیں۔ ان کی مزاحمت اس وقت تک باثمر نہیں ہوسکتی جب تک کہ قومی سطح پر اہلِ دانش اور عوامی حلقے انہیں اخلاقی امداد بہم نہ پہنچائیں۔

ایک طرف امریکی استعمار کھلے عام، امریکی سفارت خانے کی قیادت میں امریکی ایجنڈے کے مطابق تعلیمی ڈھانچے اور نظام پر قبضہ کرنے کے لئے کھلے عام پیش رفت کررہا ہے، دوسری جانب ریٹائرمنٹ کے قریب تھکے ہارے چند بے نوا پروفیسر حضرات اپنے اپنے بورڈوں کو کب تک بچائیں گے۔ پھر جس طرح کا ہمارے ہاں نظام ہے کہ ایسے مباحث میں کئی مفاد پرست ناصحین مشورہ دینے کے لئے تیار ہوتے ہیں کہ "قبول کرلیا جائے"۔ دوسرا یہ کہ آغا خان بورڈ کے کارندوں نے مختلف انجمنوں اور تعلیمی اداروں کی انتظامیہ سے رابطوں میں تیزی پیدا کی ہے۔ اس حوالے سے وہ مذہبی پس منظر کے چند اداروں اور مذہبی شکل و صورت رکھنے والے چند بندگانِ زر کو بھی شیشے میں اُتار رہے ہیں، بلکہ اس نوعیت کے کچھ لوگوں سے رابطوں کو انہوں نے کمپنی کی مشہوری کے طور پر پیش کرنا بھی شروع کردیا ہے۔

آغا خان امتحانی بورڈ کے ڈائریکٹر تھامس کریسٹی جو برطانوی نژاد انگریز اور مانچسٹر یونیورسٹی کے سابق ڈین ہیں، شب و روز کی جدوجہد سے اپنے وابستگان میں اضافے کے لئے کوشاں ہیں۔ ان کے ہمراہ وہی شمس قاسم لاکھا ہیں، جن کے ہاتھوں یونیورسٹی کے نظام کار کا حلیہ بگاڑنے اور تعلیم کو تجارت و زرپرستی کا دوسرا نام دینے کا المیہ رونما کرانے کے بعد، اب ثانوی اور اعلیٰ ثانوی تعلیم کی بساط بھی لپیٹی جارہی ہے۔ گزشتہ چند برسوں سے یونیورسٹی کی سطح کی تعلیم کے دروازے تو نچلے اور متوسط طبقے کے بچے کے لئے بند ہوچکے ہیں۔ سیلف فنانس، سیلف سپورٹ اور محض لوٹ مار کے بے شمار نجی تعلیمی اداروں نے ناداروں کو زندگی بہتر بنانے کی دوڑ سے باہر نکل دیا ہے۔ مختلف ناموں کی یونیورسٹیاں ہر شہر میں کھل رہی ہیں، جو اپنی جگہ قانون کی نہایت سنگین خلاف ورزی ہے۔ لیکن ہمارا ریاستی نظام ان جعلی اداروں کی حوصلہ شکنی

کرنے کے بجائے انہیں مختلف اقدامات کے ذریعے پروان چڑھانے میں مددگار بن رہا ہے۔

آغا خان کمیونٹی کی حکمت عملی قادیانیوں اور یہودیوں سے ملتی جلتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر آغا خان نے ایک میڈیکل کالج کو بہتر انداز سے چلایا تھا تو اس چیز کو بہانہ بنا کر اسے سارا تعلیمی نظام دینے کا جواز کیسے پیدا کیا جاسکتا ہے؟ اگر یہی مثال قابلِ تقلید ہے تو پھر انگریزوں کے زمانے کی ریلوے اور یہاں کی عدلیہ اور پولیس کا انتظام بھی بہت اچھا چلنے کا تذکرہ سننے کو ملتا ہے۔ اسی طرح بھارت کی ریلوے اچھی چلنے کی خبر ہے۔ کیا اس بنیاد پر ریل، عدلیہ اور پولیس کے محکمے بھارت یا برطانیہ کو ٹھیکے پر دے دیے جائیں یا یہ محکمہ ان ممالک کی ملٹی نیشنل کمپنیوں اور این جی اوز کو بخش دیے جائیں۔ اسی طرح جیکب آباد ایئربیس کو گزشتہ تین برسوں، کے دوران امریکیوں نے اپنے قبضے کے دوران بہتر مشینری اور شاندار آلات کے ساتھ خوبی سے چلایا ہوگا، تو کیا کوئی فرد یہ تجویز پیش کرنے کی جرات فرمائے گا کہ ''پاکستان کے باقی ہوائی اڈے بھی امریکیوں کو دے دیے جائیں کہ وہ اچھا انتظام چلائیں گے اور اعلیٰ درجے کے جنگی طیارے بھی لائیں گے''۔

یقیناً ایسی تجاویز پیش کرنے والے فرد کی جگہ کوئی دانش کدہ اور اقتدار خانہ نہیں ہوسکتا، بلکہ ایسے فرد کی جائے پناہ پاگل خانہ ہی ہوسکتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اسی سے ملتی جلتی صورت واقعہ اپنے تعلیمی اداروں کو اسماعیلی، یہودی اور عیسائی مشنریوں کے سپرد کرنے جیسے اقدامات پر صادق آتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بلاروک ٹوک قومی وسائل کو استعمال کرنے والے اور اپنی ذات کو عقل کل سمجھ کر جو من میں آتا ہے قوم کے حال اور مستقبل پر تھوپتے چلے جارہے ہیں۔ یہ راستہ اور یہ کلچر جنرل یحییٰ خان وغیرہ کی ناپسندیدہ روایت کا ایکشن ری پلے ہے، جس پر آج لوگ خاموش تماشائی بنے بیٹھے سب کچھ برداشت کررہے ہیں۔ یاد رہے کہ ایسے گونگے غلاموں کے لئے زندگی کی شاہراہ تنگ اور مستقبل کا گلشن بے آباد ہوجایا کرتا ہے۔ پھر ایسی قوموں کو غلامی کی ذلت سے نکلنے کے لئے کئی عشروں تک ان گنت قربانیاں دینا پڑتی ہیں، لیکن آزادی اور خودمختاری کی خوشبو روٹھ کر بھی نصیب میں نہیں ہوتی اور جب مدتوں بعد آزادی کا سورج طلوع ہوتا ہے، تو اس وقت تک کئی نسلیں مٹی میں مل چکی ہوتی ہیں۔

اہلِ وطن جان لیں کہ آغا خان فاؤنڈیشن ایک ایسا نام نہاد رفاہی ادارہ ہے، جس نے

پاکستان کی اربوں روپے کی مالیت کی زمین پر کراچی میں میڈیکل کمپلیکس تعمیر کیا (معلوم نہیں کتنے اونے پونے دام دیئے) لیکن وہاں پر اس ''فلاحی فاؤنڈیشن'' نے پاکستانی قوم کے بچوں کے لئے نہایت مہنگی تعلیم اور ہوش ربا قیمت پر علاج معالجے کی دکان کھولی ہے۔ان کے برعکس اپنی ایک محدود کمیونٹی کے لئے تعلیم کے اخراجات واجبی اور علاج کے اخراجات علامتی رکھتے ہیں۔ یہاں پر دوبارہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جس کمیونٹی نے اپنے پہلے تعلیمی پراجیکٹ ہی میں پاکستانی قوم کے ساتھ ایسا ظالمانہ اور امتیازی سلوک روا رکھا ہے، بھلا وہ مستقبل میں اس پاکستانی قوم کے ساتھ کون سا ہمدردانہ، مساویانہ اور برادرانہ سلوک روا رکھے گی۔جس کمیونٹی کی بنیاد فرقہ وارانہ امتیاز اور ساہوکارانہ استحصالی مزاج پر استوار ہوگی، وہ پاکستانی قوم کو کیسے تعلیم، ترقی اور شائستگی کا درس دے سکے گی۔

آغا خان کمیونٹی کی حکمت عملی یہودیوں اور قادیانیوں کی طرح یہ ہے کہ قوت کے سرچشموں کو اپنے اثر ونفوذ میں لیا جائے، بظاہر امن پسندی کا ڈھونگ رچایا جائے اور اصل میں ہڈیوں میں اُتر جانے والا ظلم ڈھایا جائے۔ اس مقصد کے لئے ان کے ہاں مادی وسائل پر قبضہ اور پس پردہ سازش دو بنیادی اصول ہیں۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ آغا خان بورڈ میں فی طالب علم کی محض رجسٹریشن فیس کا سرکاری بورڈوں کے مقابلے میں تناسب تقریباً چار ہزار بمقابلہ تین سو ہے، اور امتحانی فیس کا تناسب بھی یہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ عام آدمی کے لئے اپنے بچے کو پڑھانا ممکن نہ ہوگا۔اسی طرح درسی کتب کی ڈی ریگولیشن کے تصور کے تحت درسی کتب بے پناہ مہنگی ہو جائیں گی۔ممکن ہے اس مہنگائی کا کوئی عارضی علاج امریکہ اور اس کے مقامی حلیف سوچ لیں (جس کے تحت وقتی طور پر آغا خانی تعلیم کو کچھ سستا بھی کردیں) لیکن اصل چیلنج ہمارے نزدیک اس تعلیم کا مہنگا ہونا ہی ظلم نہیں ہے، بلکہ دیسی، بدیسی اور دشمن قوتوں کے ہاتھوں نئی نسل کے ذہن، فکر، تربیت اور مستقبل کو غلام بنانے کے راستے پر چلنا بھی ایک قابلِ مذمت فعل ہے۔

گذشتہ دو برس میں یورپی اقوام نے نظام تعلیم کو محکوم قوموں کے خلاف ایک جنگی ہتھیار کے طور پر استعمال کیا ہے۔جس کی ایک مثال لارڈ میکالے کا فرمان ہے کہ ہمیں ان اقوام پر اپنی حکمرانی مضبوط کرنے کے لئے بھورے انگریز چاہئیں جن کے نام اور شکلیں تو

مقامی لوگوں جیسی ہوں، لیکن وہ کام ہمارے لئے کریں۔ دوسرا اعلان نپولین کا ہے کہ مسلمان ملکوں میں ''مقامی لوگوں کو مقامی لوگوں کے ہاتھوں مرواؤ'' (یعنی Natives to kill natives)۔ گزشتہ تین برسوں کے دوران امریکہ نے مسلم دنیا کے بارے میں جتنی رپورٹیں جاری کی ہیں، ان میں مسلمان ملکوں کے نظام تعلیم کو بنیادی ہدف بنانے کی سفارش کی گئی ہے۔ عراق پر قبضے سے ایک سال پیشتر جون ۲۰۰۲ء میں عراقیوں کے لئے امریکہ نے درسی کتب تیار کر لی تھیں اور ۱۰ اپریل ۲۰۰۳ء کو بغداد پر علامتی کنٹرول حاصل کرنے کے آدھے گھنٹے بعد امریکہ نے عراق کے لئے جاری کی جانے والی سب سے پہلی امداد عراقی نظام تعلیم سے منسوب کی تھی۔

ہم دیکھ سکتے ہیں کہ انگریز اور یورپی استعمار نے ہر مسلمان ملک میں سیکولر اور مذہبی نظام تعلیم کو رواج دے کر خود مسلمانوں کو دو، مسلسل متحارب اور اجنبی گروہوں میں بانٹ کر رکھ دیا۔ ایک گروہ پر ملازمت، عزت اور احترام کے دروازے بند ہیں، چاہے وہ جس قدر بھی دیانت دار اور اسلامی تعلیمات سے قریب تر ہو۔ دوسرے گروہ کے لئے دولت، ثروت، عزت اور قوت کے تمام دھارے کھول کر رکھ دیئے ہیں، چاہے وہ گروہ مجموعی طور پر، خود اپنی قوم کے لئے نفرت، حقارت اور بے رحمی کی چلتی پھرتی علامت ہی کیوں نہ ہو۔

اب آغا خان بورڈ وغیرہ کے تحت برگر پود تیار کر کے خود جدید تعلیم کے فاضلین میں بھی ایک نہایت گہری تقسیم پیدا کی جارہی ہے۔ معاشی وسائل پر دسترس دینے کے لئے ایک جانب امریکہ کی طرف سے کھلی مالی امداد ہے، جبکہ خفیہ طور پر دیئے جانے والے فنڈز ہماری معلومات سے کہیں زیادہ ہیں۔ گزشتہ دنوں حبیب بینک جیسے قومی ادارے کو ''آغا خان فنڈ برائے ترقی'' کے سپرد کرتے وقت یہ شفافیت اپنائی گئی کہ اخباری اطلاعات کے مطابق ۷۰ ارب روپے کے اثاثوں والا بینک صرف ۲۲ ارب میں فروخت کر دیا گیا۔ اس ضمن میں آئی ایم ایف اور عالمی بینک کے دباؤ کا اعتراف خود وکلاء حضرات نے سپریم کورٹ کے سامنے کیا۔ وفاقی تعلیمی بورڈ کو سب سے پہلے آغا خان کے حوالے کرنے کا جوڑ دل ڈالا گیا ہے، تو یاد رہنا چاہئے کہ اس بورڈ کی صرف اسلام آباد اور بیرون پاکستان میں اربوں روپے کی جائیداد ہے، جبکہ پاکستان کے ۲۳ تعلیمی بورڈوں کو جنہیں رفتہ رفتہ آغا خان فاؤنڈیشن جیسے مگرمچھ کے منہ

میں دھکیلا جارہا ہے، ان کے اثاثہ جات کئی ارب سے تجاوز کر جاتے ہیں اور پھر قوم کے ہر بچے کی جانب سے سالانہ تاوان دینے کی مجبوری الگ۔ یہ تمام چیزیں لمحۂ فکریہ ہیں۔

اس انتہائی حساس معاملے کو حکومت پاکستان جس قدر غیر سنجیدگی سے لے رہی ہے، اس کا منہ بولتا ثبوت نئے وفاقی وزیر تعلیم جنرل (ر) جاوید اشرف قاضی صاحب کا یہ حالیہ بیان ہے: ''آغا خان فاؤنڈیشن کا امتحانی نظام ہمارے لئے ایک ماڈل کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہم تعلیمی اداروں کو آغا خان فاؤنڈیشن کے سپرد کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے، تاہم بعض تعلیمی اداروں کے امتحانات کو ہم آغا خان فاؤنڈیشن سے منسلک کر رہے ہیں۔ ''اے'' لیول اور ''او'' لیول کے امتحانات خصوصی طور پر آغا خان کے زیراہتمام منعقد کئے جانے کے انتظامات ہو چکے ہیں''۔ (روزنامہ نوائے وقت، ۱۱، اکتوبر ۲۰۰۴ء)

وزیر موصوف کا یہ بیان متضاد خیالات کا مرقع ہے۔ ایک جانب وہ کہتے ہیں کہ آغا خان امتحانی نظام ہمارے لئے ماڈل ہے، ''اے'' لیول ''او'' لیول کے امتحانات اس کے تحت کرنے کا اہتمام کریں گے اور بعض اداروں کو ہم اس سے منسلک کر رہے ہیں۔ دوسری جانب کہتے ہیں کہ تعلیمی اداروں کو آغا خان فاؤنڈیشن کے سپرد کرنے کا ارادہ نہیں رکھتے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ یہ بیان قوم کے ساتھ ایک مذاق اور تضاد بیانی کا شاہکار ہے۔ جب آپ ''انگریزی میڈیم کے تعلیمی اداروں کو منسلک کر رہے ہیں'' تو پھر باقی رہ کیا جاتا ہے۔ اس بھیڑ چال میں تمام نجی تعلیمی ادارے اور خود سرکاری ادارے رفتہ رفتہ نہیں، بلکہ بڑی تیزی کے ساتھ آغا خان سے منسلک ہو جائیں گے، کیونکہ سکہ رائج الوقت وہی ٹھہرے گا اور باقی رہے گا کیا؟ جبکہ خود صدارتی آرڈیننس میں بھی سرکاری تعلیمی اداروں کو آغا خان سے منسلک ہونے کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ جس طرح نام نہاد انگلش میڈیم تعلیمی اداروں کے رواج نے قومی نظامِ تعلیم کو زمین بوس کر دیا ہے، پھر انٹری ٹیسٹ نے قومی تعلیمی اداروں کے ہونہار بچوں کو زندگی کی دوڑ سے نکال باہر کیا ہے، بالکل اسی طرح اب ''امریکی اتحادی تعلیمی فورس'' کے ذریعے بقیہ نظام تعلیم کو تہس نہس کرنے کی جانب قدم بڑھایا جارہا ہے۔ افسوس کہ حکمران اس عبرت ناک انجام کا ادراک نہیں کر رہے!

معاملات کو سمجھنے کے لئے ذرا یہ پہلو بھی ذہن میں تازہ رہے:

۱۶، اکتوبر ۲۰۰۴ء کو نائب امریکی وزیر خارجہ کرسٹینا روکا اسلام آباد پہنچتی ہیں، جہاں انہیں صدر پاکستان اور وزیراعظم سے ملنا ہے، لیکن تین روز تک کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کہاں ہیں۔ اچانک ۱۹ تاریخ کے اخبارات سے پتہ چلتا ہے کہ وہ شمالی علاقہ جات (آغا خان کے ہدف علاقے) میں تھیں۔ موصوفہ کی اس سرگرمی سے تمام قومی پریس بے خبر رہتا ہے۔ ۱۹ اکتوبر کی شام وہ جنرل پرویز مشرف سے ملتی ہیں اور اسی روز وزیر تعلیم جنرل (ر) جاوید اشرف قاضی سے ملاقات میں پاکستان کے تعلیمی شعبے میں کی جانے والی اصلاحات پر اطمینان کا اظہار کرتی ہیں۔ (نوائے وقت ۲۰، اکتوبر ۲۰۰۴ء)۔ شمالی علاقہ جات میں کرسٹینا روکا کے اس غیر اعلان شدہ دورے پر قومی حلقوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔

☆......☆......☆

آغا خان بورڈ تعلیمی دنیا کو کس رُخ پر لے جائے گا، یا اپنے تصورِ جہاں (ورلڈ ویو) کے مطابق اس کے کرتا دھرتا کن دائروں میں زندگی گزارنے کی پہچان رکھتے ہیں، اسے دیکھنے کے لئے آغا خان ایجوکیشن کے دوسوال ناموں پر نظر ڈالنا مفید رہے گا۔ ''آغا خان ایجوکیشن سروس، پاکستان'' نے کلاس نہم سے گیارہویں جماعت تک کے طلبہ وطالبات کے ''بالغلہ صحت کے سروے'' کے لئے ایک سوالنامہ مرتب کیا ہے۔ اس سروے کو ''دی گلوب فنڈ'' ''آغا خان فاؤنڈیشن'' اور حکومت پاکستان کے ایک شعبے کا بھی تعاون حاصل ہے۔ ان میں بچوں سے سوال پوچھا گیا ہے:

❑ آپ کون سی جماعت میں پڑھتے ہیں؟

(۱) نویں جماعت (۲) دسویں جماعت (۳) گیارہویں جماعت (ص ۲)

❑ آپ کے خیال میں پاکستان میں ایڈز کا سب سے خطرناک ذریعہ کون سا ہے؟

(۱) غیر محفوظ جنسی تعلقات (کمرشل جنسی ورکر، ایک سے زیادہ جنسی تعلقات) (۲) مرد سے مرد کا جنسی تعلق، وغیرہ (ص ۹)

❑ آپ خود کو کس طرح ایڈز سے متاثر ہونے سے بچا سکتے ہیں؟

(۱) محدود جنسی تعلقات رکھنے سے (۲) کمرشل جنسی ورکر سے گریز (۳) حکیمی جڑی بوٹیوں اور دواؤں کے استعمال سے، وغیرہ (ص ۱۰)

- مندرجہ ذیل جملوں میں سے سب سے زیادہ اہمیت کون سے جملے رکھتے ہیں؟
(۱) بغیر روک ٹوک، اپنی مرضی سے زندگی گزارنا (۲) اپنا ہم سفر خود چننا (۳) شادی اور بچے، وغیرہ (ص۲۲)
- ان میں سے کون سی چیزیں آپ نے پچھلے چھ مہینوں میں کی ہیں؟
(۱) والدین سے جھوٹ بولا ہے (۲) مزے کے لئے اسکول سے فرار ہوئے ہیں (۳) دکان سے کچھ چرا کے بھاگے ہیں (۴) گھر سے بھاگے ہیں (۵) دوستوں کے بہکاوے میں آکر غلط کام کیا (۶) شراب پی ہے، وغیرہ (ص۲۲، ۲۳)
- کیا آپ دوستوں سے گرل فرینڈ/بوائے فرینڈ رکھنے کی خواہش کا اظہار کرسکتے ہیں؟
(۱) جی ہاں (۲) بالکل نہیں (۳) میں کرسکتا ہوں، وغیرہ (ص۲۳)
- کیا آپ نے کبھی جنسی تعلقات استوار رکھے ہیں؟
(۱) ہاں (۲) نہیں (ص۲۳)
- اگر ہاں، تو پہلی بار جنسی تعلقات استوار کرتے وقت آپ کی عمر کتنی تھی؟
(۱) ۱۳ سال سے کم عمر میں (۲) ۱۳ سال کی عمر میں (۳) ۱۴ سال کی عمر میں (۴) ۱۵ سال کی عمر میں (۵) ۱۶ سال کی عمر میں (۶) ۱۷ سال یا اس سے زیادہ کی عمر میں (ص۲۳)
- جو آپ درست سمجھتے ہیں ان پر صحیح کا نشان لگائیں:
(۱) میں اپنے جنسی اقدار اور عقیدوں کی وجہ سے پریشان ہوں (۲) میں نے کبھی بھی کسی سے جنسی تعلقات نہیں رکھے (۳) میرے گرل/بوائے فرینڈ کے ساتھ جنسی تعلقات ہیں (۴) میں اپنے جنسی رویے پر شرمندگی محسوس کرتا ہوں (۵) میرے جنسی تعلقات کی وجہ سے میرے دوست حسد کرتے ہیں (۶) کسی کے ساتھ جسمانی تعلقات شدید محبت ظاہر کرتے ہیں، وغیرہ (ص۲۴)
- آپ کتنی مرتبہ نشہ کرتے ہیں؟
(۱) روزانہ (۲) ہفتے میں ایک بار (۳) مہینے میں ایک بار (۴) مہینے میں کئی بار، وغیرہ (ص۲۶)

- کیا آپ شراب پیتے ہیں؟

(۱) ہاں میں پیتا/پیتی ہوں (۲) نہیں، میں نہیں پیتا/ پیتی ہوں (۳) کبھی کبھار پیتا/ پیتی ہوں (ص ۲۷)

- اگر ہاں، تو کتنی مقدار میں شراب پیتے ہیں؟

(۱) روزانہ ۱۔۲ گلاس (۲) روزانہ ۳۔۵ گلاس (۳) روزانہ ۵ سے زائد گلاس، وغیرہ (ص ۲۷)

- آپ نے شراب پینا کیوں شروع کی؟

(۱) میرے تمام دوست شراب پیتے ہیں (۲) میں اپنے دوستوں کے سامنے اچھا نظر آنا چاہتا ہوں/ چاہتی ہوں (۳) میں اکثر شراب کے بارے میں سنتا تھا اور پی کر دیکھنا چاہتا تھا/ چاہتی تھی (۴) میرے گھر میں شراب نوشی کی ممانعت نہیں ہے/ برا نہیں سمجھتے (۵) میں بہت پریشان رہتا تھا/ رہتی تھی (ص ۲۷)

- ہمارے معاشرے میں اخلاقی اقدار اور اصولوں کو بہت اہمیت حاصل ہے، آپ کے خیال میں کیا ایک لڑکے کا شادی سے پہلے جنسی تعلقات رکھنا جائز ہے؟

(۱) اخلاقی طور پر غلط ہے (۲) بالکل غلط نہیں (۳) میں نہیں جانتا (ص ۲۸)

- آپ جن جوابات کو درست سمجھتے ہیں ان پر نشان لگایئے:

(۱) میرے دوست جی بھر کے تمام قسم کے جنسی تعلقات میں حصہ لیتے ہیں (۲) میں وہ کرنا چاہتا ہوں جو میرے دوست کرتے ہیں، ورنہ وہ مجھ پر ہنستے ہیں (۳) دو محبت کرنے والوں کے لئے شادی سے پہلے جنسی تعلق ٹھیک ہے۔ (ص ۲۸)

- کیا آپ گاڑی لے کر گئے؟

(۱) دوست کے گھر (۲) گھر کے آس پاس (۳) اپنے بوائے/گرل فرینڈ کے گھر تک، وغیرہ (ص ۲۹)

- کیا آپ کے اسکول میں کبھی ایڈز یا جنسی تعلقات سے پھیلنے والی بیماریوں کے متعلق پڑھایا گیا ہے؟

(۱) نہیں (۲) ہاں (۳) میں یقین سے نہیں کہہ سکتا/سکتی (۴) مجھے نہیں معلوم۔

- ❑ اگر آپ کو کوئی جنسی مسئلہ درپیش ہو تو آپ کس سے اس کے متعلق بات کریں گے؟
(۱) ماں (۲) باپ (۳) بہن (۴) بھائی (۵) دوست (۶) رشتے دار (۷) نرس
(۸) کسی سے نہیں (۹) دیگر
- ❑ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ مذہب/ثقافت یا روایات آپ کے جنسی رویوں کی صحیح تشکیل کرتے ہیں؟
(۱) جی ہاں بالکل (۲) جی نہیں (۳) مجھے نہیں معلوم

اس نوعیت کا سوال نامہ میٹرک، انٹر کے اساتذہ کے لئے بھی ہے۔

اوپر درج شدہ چند سوالات اور ان کے مجوزہ جوابات دیکھیے۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حکومت کی آشیرباد سے آغا خان فاؤنڈیشن اول روز سے ہی حلال وحرام کے اسلامی ضابطوں اور جملہ اخلاقی اقدار کو تہس نہس کر کے پاکستان کے مسلم معاشرے کو یورپ و امریکہ کے طرز کی اباحیت میں ڈوبی ہوئی مادر پدر آزاد سوسائٹی میں تبدیل کرنے کا ارادہ اور عزم رکھتی ہے۔ کسی کلاس روم میں طلبہ و طالبات کے ان سوالناموں کو پُر کرنے کا تصور کیجئے، جس سے آپ کو وہ ماحول سمجھ میں آجائے گا، جس میں باقاعدہ جھڑکا کرلانا مطلوب ہے۔ اس سوالنامے کے نفسیاتی اور سماجی پہلو پر گفتگو کرنے سے خود حیات آتی ہے۔ اس میں کیا شک ہے کہ یہ سوال نامہ ''لبرل ماڈریٹ'' مستقبل کی نشاندہی کرتا ہے۔

☆......☆......☆

اس بحث کے آخر میں یہ عرض کرنا بے جا نہ ہوگا کہ ظلم پر مبنی اس آرڈیننس اور حقارت و زیادتی پر مبنی اس نظام کو مسلط کرنے کے لئے مختلف استعماری این جی اوز اور حکومت کے بارسوخ افراد نے بڑے تسلسل سے کام کیا ہے۔

امریکی تہذیب اپنی فوجی قوت کے ساتھ مسلم دنیا پر سیاسی اور معاشی یلغار بھی کر رہی ہے۔ اس حوالے سے امریکہ کے اہداف بڑے وسیع اور ہمہ پہلو ہیں۔ وہ مسلم دنیا کے محض مادی وسائل ہی اپنے مذموم قبضے میں نہیں لینا چاہتا، بلکہ سماجی، سیاسی اور خاندانی ادارے تک اس کا خصوصی ہدف ہیں۔ مسلم دنیا کے تعلیمی اداروں اور تعلیمی نظام کو اپنے کنٹرول میں لینا اسی یلغار کا سب سے نازک پہلو ہے۔ اس مقصد کے لئے امریکہ نے آغا خان فاؤنڈیشن کے

ذریعے پاکستان (متعدد مسلم ممالک) کے تعلیمی نظام کو اپنے شکنجے میں کسنے کے لئے بڑی تیزی سے قدم بڑھایا ہے، تاکہ وہ نئی مسلم نسلوں کو اپنے مذموم مقاصد کے پیشِ نظر ڈھال سکے۔ اوپر درج شدہ ایک سوالنامے ہی سے اہل حل وعقد کی آنکھیں کھل جانی چاہئیں کہ وہ محض اپنے ذاتی مفادات کے حصول کی خاطر اپنی قوم کے مستقبل کے ساتھ کیا کھیل کھیلنے جارہی ہیں؟

حکومت کے ''اصل لوگ'' سرخوشی کے عالم میں کچھ اچھے اور زیادہ تر برے فیصلے کرتے جارہے ہیں۔ بلاشبہ آغا خان امتحانی بورڈ کا آرڈیننس بھی قوم پر مسلط کیا جانے والا ظلم عظیم ہے۔ اس قانون کو تسلیم کرنے والوں پر یہ بہت بڑا قرض ہے کہ وہ اپنی نئی نسلوں کو اس طوق غلامی سے نجات دلانے کے لئے، اس پر پارلیمنٹ میں بحث کریں اور اسے مسترد کردیں۔ لیکن اس سے پہلے یہ ضروری ہے کہ خود منتخب نمائندوں کو ہنگامی بنیادوں پر اس مسئلے کی نزاکت سے آگاہ کیا جائے۔ سترھویں ترمیم (کہ جس میں ایسے متعدد کالے قوانین بھی شامل ہیں) کی منظوری کے وقت یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ گزشتہ عہد مشرف میں جو آرڈیننس جاری یا فیصلے ہوچکے ہیں، انہیں مشترکہ پارلیمانی کمیٹی میں زیر بحث لاکر، قبول کرنے یا مسترد کرنے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ حکومت کی طرف سے اس مشترکہ کمیٹی کا قیام التوا میں چلا آرہا ہے۔ حالات کی سنگینی کا تقاضا ہے کہ طے شدہ طریقے کے مطابق خصوصاً اس آرڈیننس کا جائزہ لیا جائے اور اسے مسترد کیا جائے۔

اس المناک صورتحال پر اہلِ دانش اور اساتذہ کرام کا یہ دینی اور قومی فریضہ ہے کہ وہ قومی وصوبائی اسمبلی اور سینیٹ کے ایک ایک رکن کو یہ بات سمجھائیں۔ یہ مسئلہ صرف متحدہ مجلس عمل، مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی ہی کے غور وفکر کا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ سبھی کے لئے مشترکہ درد اور کرب کا مسئلہ ہے۔

کیا اہلِ دانش اور اہلِ سیاست کسی جابر کی حکمت عملی کو تسلیم کرکے صدیوں تک اپنی نسلوں کو غلامی کے غار میں دھکیلنے کے لئے تیار ہیں، یا حکمت ودانش سے بیداری ویکجہتی کی شاہراہ پر چلتے ہوئے ان زنجیروں کو توڑنے کے لئے آمادہ؟

☆……☆……☆

آغا خانی اپنے عقائد کے آئینے میں

ناظم الدین

اگر چہ آغا خانی (اسماعیلی) مسلمان ہونے کا اقرار کرتے ہیں، لیکن ان کے مذہبی عقائد مسلمانوں سے بالکل مختلف ہیں۔ زیرِ نظر تحریر میں آغا خانیوں کے نظریات کا قرآن و سنت کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے۔

اسماعیلیوں کا کلمہ شہادت:

اسماعیلی ایسوسی ایشن برائے افریقہ، کینیا کی 1963ء میں شائع کردہ اسماعیلی دعاؤں کی کتاب میں درج اسماعیلی کلمہ شہادت حسبِ ذیل ہے۔

لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ علی امیر المومنین علی اللہ

''اللہ کے سوا نہیں، محمد اللہ کے رسول ہیں، علی امیر المومنین اللہ سے ہیں''۔

وہ ٹکڑا جو توحید کی نفی کرتا ہے، علی اللہ سے ہے، جو کلمہ شہادت کے آخر میں ہے۔ یہ ٹکڑا دو الفاظ ''علی'' اور ''اللہ'' کا مجموعہ ہے۔ اگر ان دونوں کو ملا کر پڑھا جائے تو ''علی اللہ'' پڑھا جاتا ہے۔ علی کے معنی ہیں۔ علی (The Ali) اور اللہ (The God)۔ اس طرح اس ٹکڑے کے معنی ہو جاتے ہیں۔ ''علی اللہ'' جس سے یہ مراد بھی لی جا سکتی ہے۔

''آغا خان'' The Agha Khan اللہ (The God)۔(۱)

ہم کلمہ میں حضرت علی کا نام کیوں لیتے ہیں؟

حضرت مولیٰ مرتضیٰ علی میں خدائی نور ہونے کی وجہ سے اور حضرت علی کا مبارک نام لینے سے خدائی نور کی شناخت ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے ہم حضرت مولیٰ مرتضیٰ علی کا نام کلمہ میں لیتے ہیں۔ علی اللہ یعنی اللہ میں سے علی ہیں۔ یا علی میں خدا کا نور ہے۔

حوالہ: برگ درشیکا، ازمشنری علی بھائی بابوانی ریلجئیس نائٹ اسکولز کے لئے خصوصی درسی کتب صفحہ نمبر 48 مطبوعہ اسماعیلیہ ایسوسی ایشن برائے ہند بمبئی۔

○ قارئین کرام! اسماعیلیوں کا کلمہ شہادت بھی مسلمانوں سے جدا ہے۔ اسماعیلیوں نے کلمہ میں تحریف کر کے اس میں علی کو اللہ کے ساتھ جوڑا ہے اور پھر کہا ہے کہ علی ہی اللہ ہے اور علی سے مراد آغا خان کو لیا ہے۔ گویا انہوں نے ''آغا خان'' کو ہی اپنا معبود بنالیا ہے۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے ''شہادۃ ان لا الہ الا اللہ۔ اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وان محمداً رسول اللہ'' اور محمدؐ اللہ کے رسول ہیں۔ نماز پڑھنا، زکوۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا، بیت اللہ کا حج کرنا۔ (جامع ترمذی، کتاب الایمان)

نبی کریم نے حضرت علی کو خالق تسلیم کیا (نعوذ باللہ)

ایک اور انوکھا گنان درج ذیل ہے۔ یہ گنان ''مومن چیتاومنی'' نامی کتاب میں شائع ہوا ہے۔ اس میں حضرت علیؓ بن ابوطالب کی عین ولادت کے موقع پر حضرت محمد مصطفی ﷺ (جو اس وقت 29 سال کے تھے اور نبی مبعوث نہیں ہوئے تھے) اور ان فرشتوں کے درمیان ہونے والا مکالمہ مذکور ہے جو حضرت علی بن ابوطالب کو عالم بالا سے دیکھنے آئے تھے۔

گجراتی ترجمہ: ''جب ملائکہ کے لیڈر، حضرت محمد (علی) کو سلام کر کے واپس ہوئے تو ملائکہ نے نبی کریم سے کہا۔ وہ (نوزائیدہ علی) عرش وکرسی کا خالق ہے''۔ وہ (علی) ہی ہے جس نے ہمیں حکم دیا ہے اور ہم کو آپ کا تابع کیا ہے۔ یقیناً وہ یہی ہے بلا شک وشبہ اس پر نبی کریم ﷺ نے جواب دیا ''میرے بھائی فرشتو! میں تمہیں اپنے دل کی بات بتلاتا ہوں''۔ اس (نوزائیدہ علی) نے مجھ پر واضح کیا ہے کہ وہ اس کائنات کا خالق ہے''۔ (نعوذ باللہ)۔ (۲)

اے علی آپ خالق ہیں، آپ عادل ہیں:

ایک ابتدائی مگر مقبول ترین گنان جو یہ نوعمر بچوں کو شبینہ اسکولوں میں پڑھاتے ہیں ''حق تو پاک تو'' ہے۔ یہ جماعت خانوں میں سب سے زیادہ پڑھے جانے والے گنانوں میں سے ایک ہے۔

اس ''حق تو، پاک تو'' گنان کا پڑھنا کس چیز کا اعلان ہے؟ اس کا مطلب ہے۔

اے علی (یعنی آغا خان)۔ اکیلے تم ہو۔

حق تو = حق تم	رحمان تو = رحمان تم
ظاہر تو = ظاہر تم	پاک تو = پاک تم
قاضی تو = عادل تم	باطن تو = باطن تم
سرجن ہار = خالق تم	بادشاہ تو = بادشاہ تم
یا علی تو ہی تو	یا علی تم ہی تم
رب تو = پالنے والے تم	اول تو = اول تم

آخر تو = آخر تم

مجھے ان اسماعیلیوں میں جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ آغا خان کو خدا نہیں مانتے اور پھر بھی اپنے بچوں کو ''حق تو، پاک تو'' کی تعلیم دیتے ہیں اور اس باپ میں کوئی فرق نظر نہیں آتا جو شیخی بگھارتا ہے کہ وہ شراب نوشی کے خلاف ہے اور اس کے باوجود اپنے لڑکے یا لڑکی کو شراب خانہ، شراب نوشی کے آداب سیکھنے کے لئے بھیجتا ہے۔ (3) (حقیقت اسماعیلیہ یا اسماعیلی طریقت۔ ازاکبر علی۔ مہر علی۔ ترجمہ، سید تنظیم حسین، مطبوعہ ادارہ مطبوعات تکبیر کراچی۔ا۔صفحہ ۵۵،۵۴۔۳۔صفحہ۔۱۲۱)

اسماعلیوں کے حضرت علیؓ کے بارے میں گمراہ کن عقائد

مرشد یعنی حاضر امام کو ہر بات کی خبر ہے:

اگر وہ یہ کہے کہ مہر (یعنی امام کی تصویر) کی بجائے شراب کو سجدہ کرو تو کرنا چاہئے، کیونکہ مرشد کا فرمان ہے۔

مرتضیٰ علی بزرگ ہیں ان کے فرمان ماننے چاہئیں کیونکہ وہ خود اپنی قدرت سے گناہ بخش کر جنت میں بھیج سکتے ہیں۔

دوسرا سبق...... یاعلی مدد:

یاعلی مدد ہمارا سلام ہے۔

''مولیٰ علی مدد'' سلام کا جواب ہے۔

یاعلی بابا ہماری مدد کرتے ہیں۔ اٹھتے بیٹھتے ''یاعلی مدد'' بولتے رہنا، گھر سے باہر نکلتے وقت ''یاعلی مدد'' بولنا، گھر میں داخل ہوتے وقت ''یاعلی مدد'' کہنا۔ ماں باپ کو ''یاعلی مدد'' کہنا (سلام کے طور سے) بھائی اور بہن کو ''یاعلی مدد'' کہنا۔

پہلا سبق

ہم امامی اسماعیلی امام حاضر کے مرید خدا کا نور جو امام حاضر میں روشن ہے، اس کو سجدہ کرتے ہیں۔

علی کو اللہ کہہ کر سہارا حاصل کرو:

جو لوگ علی کو دل سے مانیں گے، ان کی آل اولاد میں اضافہ ہوگا اور وہ فلاح پائیں گے، اسی وجہ سے نر علی کی اطاعت وعبادت کرنا، اسی نر جی کی دشون (دسواں حصہ) اگر آپ نر علی کو دشون دیتے رہیں گے تو آپ کی آل اور مال میں برکت ہوگی اور وہ یعنی علی آپ کا ایمان سلامت رکھے گا۔ اس لئے کہ ہمارا یہ نر علی (پوری کائنات کا) خالق مطلق ہے۔

حوالہ: گینان مومن چیتامنی۔ از سید امام شاہ ''مقدس گینانوں کا مجموعہ''۔

شائع کردہ: ایچ آر ایچ دی آغا خان اسماعلیہ ایسوسی ایشن برائے ہند، بمبئی۔

اسی امام شاہ کی کتاب گنان مومن چیتامنی صفحہ نمبر ۱۰۲ پر جو اسماعیلی پبلی کیشنز بمبئی نے شائع کی تحریر ہے۔

''آسمان سے بادل آئیں گے اِدھر اُدھر برسیں گے، یہ سب مولا علی کے ہاتھ میں ہے جس نے ساری کائنات پیدا کی، یہ پوری کائنات مولا علی ہی نے پیدا کی ہے اور سب کا رب وہی ہے''۔

مندرجہ بالا کتاب کے صفحہ ۱۰۶ پر تحریر ہے۔ نبی محمد ﷺ کی سب بات سمجھ میں آئی کہ حضرت علیؓ اللہ کے اوتار ہیں۔ جب حضور نے شاہ علی کا دیدار کیا تو سب سے اول ان کو صحیح اللہ پایا پھر مریدوں کو دیدار کرایا۔

(صفحہ ۱۰۷) نبی محمد ﷺ نے یہ بتلایا کہ بھائی فرشتو آپ کو ایک اچھی بات بتاتا ہوں جب علی پیدا ہوئے تو انہوں نے اپنا تعارف مجھ کو خود ہی کرایا کہ وہی تو (یعنی علی) پوری کائنات کا خالق ہے۔ اس لئے علی کو صحیح اللہ کہتے۔ مولا علی کی قدرت لامتناہی ہے''۔

گنان برہم پرکاش مولف پیر شمس الدین اسماعیلی فرقے کی سرکاری دستاویز مطبوعہ

اسماعیلی ایسوسی ایشن فار انڈیا بمبئی صفحہ ۲۹۶ ''اس کلجگ میں خداوند عالم کا ظہور انسانی جسم میں ہے اور وہ ساری روحوں کا شہنشاہ ہے یعنی وہ امام حاضر ہے''۔ (یہی کتاب صفحہ ۲۹۷) اس دنیا میں جو مومن پہلے تھے اور جو مومن اس وقت ہیں اور جو آئندہ ہوں گے، یہ سب مومن شاہ پیر (امام) کی عبادت کرتے تھے، کررہے ہیں اور کرتے رہیں گے''۔ (آغا خانی تنظیم حسین، مطبوعہ ادارہ مطبوعات تدبیر نو کراچی۔ صفحہ ۱۷۲)

○ قارئین کرام! اسماعیلی حضرات کی طرف سے ''مومن چتامنی'' نامی کتاب میں شائع کردہ تحریر میں کہا گیا ہے کہ ''اس پر نبی کریم ﷺ نے جواب دیا۔ میرے بھائی فرشتو، میں تمہیں اپنے دل کی بات بتلاتا ہوں، اس (نوزائیدہ علی) نے مجھ پر واضح کیا ہے کہ وہ اس کائنات کا خالق ہے''۔ جھوٹ کا پلندہ ہے اور نبی اکرم ﷺ پر افترا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''قل اللہ خالق کل شیٔ الواحد القھار''

اے نبی ﷺ فرما دیجئے ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے اور وہ یکتا ہے سب پر غالب (سورۃ الرعد آیت نمبر ۱۶)

اسی طرح اللہ کا ارشاد ہے ''وھو الذی خلق السموت والارض بالحق۔ ط'' اور وہی ہے جس نے آسمان و زمین کو برحق پیدا کیا ہے۔ سورۃ الانعام۔ آیت ۷۳)

قارئین کرام! قرآن کریم میں اس بات کی صداقت موجود ہے کہ زمین و آسمان کا خالق، انسان کا خالق بلکہ ساری کائنات کا خالق اللہ ہی ہے اور خود نبی اکرم ﷺ اور حضرت علیؓ سمیت تمام صحابہ کرامؓ کا بھی یہی عقیدہ تھا تو پھر اسماعیلی حضرات کا حضور ﷺ کے متعلق یہ کہنا کہ حضور ﷺ نے فرشتوں سے کہا کہ علی خالق کائنات ہے۔ حضور ﷺ پر افترا نہیں تو اور کیا ہے۔

آغا خانیوں کا تصور نبوت و امامت

نبوت کا مذاق، نبوت پر امامت کو فضیلت:

ابوعلی کی کتاب ''اسماعیلی طریقہ'' کے صفحہ ۱۹ پر اس طرح تحریر ہے۔

''نبی کریم ﷺ کے بہت سے سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پشت

مبارک پر داہنے شانے کے قریب مہر نبوت تھی۔ یہ ایک تل تھا جو اتنا بڑا تھا کہ کبوتر کا نصف انڈا۔ جب امام علی مقام نبی کریم کے شانہ مبارک پر کھڑے ہوئے تو یہ مہر نبوت ان کے قدم کے نیچے تھے۔ حضرت علیؓ سے الفت کرنے والوں نے اس سے یہ مطلب لیا کہ یہ امامت کی نبوت پر فضیلت کی نشانی ہے''۔

اسماعیلی عقیدہ کے اعتبار سے پنجتن پاک (یعنی حضرت علی، نبی کریم ﷺ، بی بی فاطمہؓ، حسنؓ اور حسینؓ) نورالٰہی کے حامل تھے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ نبی کریم حضرت محمد ﷺ بھی نورالٰہی کے حامل تھے۔ ابو علیؒ نے اپنی کتاب ''اسماعیلی طریقہ'' کے صفحہ ۱۲۹ پر اس کی خصوصی انداز میں اس طرح وضاحت کی ہے۔

نبی حق (Truth) دکھلانے کے لئے معبوث ہوئے۔

علی حق (Truth) کے حامل تھے۔

نبی پر قرآن پاک نازل ہوا۔

علی (خود قرآن ناطق ہیں دوسرے الفاظ میں (الف) امام کے فرمان حق ہیں۔ (ب) امام (کی زبان سے نکلا ہوا) لفظ قرآن ہے۔ اسماعیلیوں کے اعتقادات، عبادات کے غائر مطالعے سے ایک شخص بڑی آسانی سے کہہ سکتا ہے کہ احکام خداوندی پس منظر میں چلے گئے ہیں، جبکہ بہت سے احکام فرمانوں کے ذریعے ایک طرف ڈال دیئے گئے ہیں۔ (حقیقت اسماعیلیہ یا اسماعیلی طریقت۔ از اکبر علی۔ مہر علی۔ ترجمہ، سید تنظیم حسین، مطبوعہ ادارہ مطبوعات تکبیر کراچی۔ صفحہ ۲۱)

اسی طرح مندرا نامی کچھ کے ایک چھوٹے سے قصبے میں آغا خاں سوم نے ایک فرمان جاری کیا۔ یہ فرمان گجراتی زبان کی کتاب ''کچھ نا فرمان'' کے صفحات ۲۸ تا ۲۹ پر دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:

''جب نبی (کریم) محمد مصطفیٰ (ﷺ) نے اس دنیا سے رحلت فرمائی تو انہوں نے پیر امام حسن کو اپنا جانشین مقرر کیا اسی طرح (جناب) مرتضیٰ علی نے امام حسین کو اپنے بعد امام مقرر کیا''۔ (حقیقت اسماعلیہ یا اسماعیلی طریقت۔ از اکبر علی۔ مہر علی۔ ترجمہ، سید تنظیم حسین، مطبوعہ ادارہ مطبوعات تکبیر کراچی۔ صفحہ ۱۰۲)

کتاب کلامِ الٰہی اور فرامین امام صفحہ ۵۴ پر تحریر ہے۔ ''امام کا ظہور اللہ کا ظہور ہے جس کی پہچان اللہ کی پہچان جس کی بندگی اللہ کی بندگی ہے جس کی حمد اللہ کی حمد ہے جس کی بیعت اللہ کی بیعت ہے اور جس کی فرماں برداری اللہ کی فرماں برداری ہے''۔

اسماعیلی بچوں کے لئے اسماعیلی مذہبی بورڈ کی طرف سے مدون کتاب لکھشا مالا کے سبق ۴ صفحہ ۱۱ میں درج ہے۔ ''امام حاضر پیر شاہ ہے۔ پیر شاہ یعنی نبی (پیر) اور شاہ (علی) ہمارے پہلے پیر حضرت محمد ﷺ ہیں۔ ہمارے پہلے امام حضرت علیؓ ہیں جنہوں نے اسماعیلی عقیدے کے مطابق (نعوذ باللہ) حضرت محمد ﷺ کو رسول مقرر کیا ہے۔ ہمارا پچاسواں پیر حضرت مولانا شاہ کریم الحسینی ہے اور ہمارا انچاسواں امام حضرت مولانا شاہ کریم (آغا خاں) الحسینی ہے''۔

کلام امام مبین کا فرمان نمبر ۵۳۰ ہے۔ ''آپ جانتے ہیں کہ انسان کی زندگی اور دنیا ہر وقت بدلتی رہتی ہے۔ ہر چیز بدلتی رہتی ہے جس میں ۔۔۔۔ ہدایت امام حاضر ہی دے سکتے ہیں، اسماعیلیوں کے پاس ہدایت کے لئے کوئی لکھی ہوئی کتاب نہیں، مگر ہدایت کے لئے زندہ امام ہے''۔

ہندو بھی اور مسلمان بھی روئیں گے۔ برہمن جوتشی بھی پران پڑھ کر روئیں گے۔ ملا اور قاضی بھی قرآن پڑھنے کے باوجود روئیں گے۔ اپنی کٹیا میں بیٹھے ہوئے جوگی بھی روئیں گے۔ جھوٹے سنی کتے بھی روئیں گے۔ کیونکہ ان کو شاہ برحق (امام) کی حفاظت نصیبت نہ ہوئی۔

یہ سب گمراہ لوگ پیر (امام) کو نہ پہچاننے کی وجہ سے روئیں گے۔

بس وہ نہیں روئیں گے، جن کو ست گر (امام) مل گیا۔ ان کو تو نرعلی مل گئے۔ ان کی حقیقت کا کیا کہنا۔ (حوالہ گنیان نمبر ۳، صفحہ نمبر ۱۴، مقدس گنان کا مجموعہ، از پیر صدر دین، یکے از مطبوعہ اسماعیلیہ ایسوسی ایشن برائے بھارت، بمبئی۔)

یاد رکھنا چاہئے کہ امام حاضر کے فرامین کی اطاعت، اللہ کی اطاعت ہے، امام حاضر کے احکام کی خلاف ورزی اللہ کے احکام کی خلاف ورزی ہے۔

دوسرا سبق:

قرآن شریف کی صحیح سمجھ اور اس کے چھپے بھیدوں کے صحیح معنی اور صحیح علم ''امام حاضر'' کو ہی ہوتا ہے۔ امام حاضر قرآن ناطق (یعنی بولتا ہوا قرآن) ہے۔ اس لئے اس کے فرمانوں کے مطابق عمل کرنا چاہئے۔ اس کے فرمانوں پر عمل کرنے والے دنیا میں فلاح پاتے ہیں۔

امام کا ہاتھ خدا کے ہاتھ کے برابر ہے۔ امام کا چہرہ خدا کے چہرے کے برابر یہ کہ عقیدت سے امام کا دیدار کرنے والا، خدا کا دیدار کر رہا ہے۔

(حوالہ: سکھشا مالا نمبر۳، منظور شدہ درسی کتب برائے ریلیجیس نائٹ اسکولز، یکے از مطبوعہ اسماعیلیہ ایسوسی ایشن برائے انڈیا، ممبئی۔ (آغا خانی اسماعیلیوں کی تاریخ صفحہ ۱۷۵۔۱۴۳)

○ قارئین کرام! اسماعیلی حضرات کا یہ کہنا کہ نبی اکرم ﷺ پر قرآن پاک نازل ہوا اور علی (خود) قرآن ناطق ہے۔ نبوت پر امامت کو فضیلت دینے کے ساتھ ساتھ انکار نبوت بھی ہے اور اسی طرح اسماعیلی حضرات کا یہ کہنا کہ امام (کی زبان سے نکلا ہوا) لفظ قرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کلام کا مذاق اُڑانا ہے۔ حالانکہ ایسا عقیدہ نہ تو خود حضور ﷺ نے اختیار کیا اور نہ ہی اس کی تعلیم دی۔ نبی اکرم ﷺ کے متعلق تو خود رب العالمین فرماتے ہیں کہ وما ینطق عن الھوی ان ھوالا وحی یوحی۔ (وہ اپنی خواہش نفس سے نہیں بولتا، یہ تو ایک وحی ہے جو اس پر نازل کی جاتی ہے۔ (سورۃ النجم۔ آیت: ۴) اسماعیلی حضرات اگر امام کو نبی سے افضل سمجھتے ہیں تو اس پر قرآن وسنت سے کوئی دلیل پیش کریں ورنہ اپنے اس عقیدے سے تائب ہوکر قرآن وسنت کے عقیدہ کو اختیار کرلیں۔

نبی کریم حضرت محمد ﷺ بحیثیت ایک ''پیر'' کے تشریف لائے! (نعوذ باللہ)

اپنی کتاب کے صفحہ نمبر ۳۳ پر ابوعلی نے پیر صدر الدین کا گجراتی گنان نقل کیا ہے جو اس طرح سے ہے۔ ترجمہ: ''تخلیق (کائنات) (گجراتی) سے قبل محمد مصطفٰے نبی تھے۔ یہی مرشد ہندوستان آئے''۔

اسماعیلی تعلیمات اور عقائد میں حضرت علیؓ اور نبی کریم حضرت محمد ﷺ کی تخلیق کائنات سے پہلے بھی ہندو دیوتاؤں وشنو اور برہما کے اوتار کی حیثیت سے بار بار تجسیم کی بنیاد متذکرہ بالا پیروں سے منسوب یہی عجیب وغریب وخیالی دعوے ہیں۔ اسماعیلیوں کو یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ وہ پیر جو ہندوستان آئے وہ ''نور محمدیؐ، یعنی برہما کے حامل تھے اور آغا خاں (سابق وموجودہ) وشنو کے آخری اوتار ہیں۔ رام اور کرشن بھی وشنو کے اوتار تھے۔ (نعوذ باللہ) (حقیقت اسماعیلیہ یا اسماعیلی طریقت۔ از اکبر علی۔ مہر علی۔ ترجمہ، سید تنظیم حسین، مطبوعہ ادارہ مطبوعات تکبیر کراچی۔ صفحہ ۱۴)

اسلامی عبادات کی توہین

اپنا روزہ توڑ دو اور مزے کرو:

اسماعیلی مبلغ ابوعلی اے عبدالعزیز کی کتاب ''اسماعیلیت کی مختصر تاریخ'' کے صفحہ ۷۳ پر درج ہے کہ:

''۱۹ رمضان المبارک ۵۵۹ھ (۱۰ اگست ۱۱۶۴ء) کو مولانا امام حسن علی ذکرہ السلام نے یوم القیامۃ کا اعلان کیا۔ دنیا کے کونے کونے سے ہزارہا اسماعیلی اس اہم مذہبی دن کی تقریب میں شرکت کے لئے جمع ہوئے تھے۔ جناب امام نے فرمایا۔''میں نے آج آپ کو شریعت میں اس کا مطلب واضح کر دیا ہے میں آپ کو شریعت کی پابندیوں سے نکال کر شریعت کی روح کی طرف لاتا ہوں۔ میرا کہا مانو اور میرے فرمانوں پر عمل کرو...... اپنا روزہ توڑ دو اور مزے کرو، آج کا دن خوشی اور تشکر کا دن ہے''۔ (آغا خانی اسماعیلیوں کی تاریخ۔ اکبر علی، مہر علی۔ صفحہ ۶۱۔۶۰)

○ قارئین کرام! اسماعیلیوں کے امام کا یہ اعلان کہ ''آج میں تمہیں شریعت کی تکلیف سے آزاد کرتا ہوں اور الفاظ پابندی سے نجات دلا کر شریعت کی طرف لاتا ہوں، میری اطاعت کرو اور میرے فرمان پر عمل کرو''۔ شریعت اسلامیہ کا مذاق نہیں تو اور کیا ہے اور جو شخص شریعت اسلامیہ کا مذاق اُڑائے، اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی بجائے اپنی اطاعت کا حکم دے وہ مومن کیسے ہوسکتا ہے۔ جبکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ''اے نبی فرما دیجئے اللہ کے مطیع بنو اور رسولؐ کے تابع فرمان بن کر رہو، لیکن اگر تم منہ پھیرتے ہو تو خوب سمجھ لو کہ رسولؐ پر جس فرض کا بار رکھا گیا ہے اس کا ذمہ دار وہ ہے اور تم پر جس فرض کا بار ڈالا گیا ہے اس کے ذمہ دار تم۔ اس کی اطاعت کرو گے تو خود ہی ہدایت پاؤ گے۔ (سورۃ النور۔ آیت نمبر ۵۴)

نیز اسماعیلیوں کا یہ عقیدہ کہ ہم باطنی ہیں، سنی شریعتی ہیں بھی شریعت اسلامیہ سے راہ فرار ہے اور اسی طرح اسماعیلیوں کا نماز کو دعا قرار دینا اور روزہ کے متعلق ان کے امام کا یہ اعلان کہ ''میں آپ کو شریعت کی پابندیوں سے نکال کر شریعت کی روح کی طرف لاتا ہوں۔ میرا کہا مانو اور میرے فرمانوں پر عمل کرو۔ اپنا روزہ توڑ دو اور مزے کرو۔ آج کا دن خوشی اور

تشکر کا دن ہے۔ بھی شریعت اسلامیہ کا مذاق اُڑاتا ہے۔ حالانکہ نماز اور روزے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ واقیمو الصلوۃ (اور تم نماز قائم کرو۔ سورۃ البقرہ آیت نمبر ۴۳)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ''اے ایمان والو تم پر روزے فرض کئے گئے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر روزے فرض کئے گئے تھے تا کہ تم ہدایت پاؤ۔'' (البقرہ۔ آیت ۱۸۳)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز اور روزہ کی کیفیت وفضیلت بیان فرمائی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی نماز پڑھی، رمضان کے روزے رکھے اور حضور پر ایمان لانے والوں کا بھی یہی عقیدہ و عمل تھا۔ پھر جو شخص نماز و روزہ کا مذاق اُڑائے تو یہ شریعت سے راہِ فرار نہیں تو اور کیا ہے؟

آغا خاں سوم کے ایک فرمان کا ترجمہ حسبِ ذیل ہے: ''خلیفہ عثمان نے قرآن پاک کے کچھ حصے حذب کر دیئے اگر میں قرآن پاک کو نقل کروں تو مجھے چھ سال لگیں گے، وہ بھی آپ کو بھیجوں گا اور آپ دیکھیں گے کہ اس میں سے (خلیفہ عثمان) نے کیا حذف کیا ہے اور کیا ردو بدل کیا ہے''۔

یہ فرمان بھی زنجبار میں ۳۰ جولائی ۱۸۹۹ء کو جاری کیا گیا تھا۔ اسماعیلی ابھی تک اصل قرآن کی آمد کا انتظار کر رہے ہیں، اور غالباً قیامت تک کرتے رہیں گے۔ اس دن یقیناً سب حقائق آشکار ہو جائیں گے۔ لیکن (اس وقت تک چڑیاں کھیت چگ چکی ہوں گی اور) پچھتانا بے سود ہوگا۔ (حقیقت اسماعیلیہ یا اسماعیلی طریقت۔ از اکبر علی۔ مہر علی۔ ترجمہ، سید تنظیم حسین، مطبوعہ ادارہ مطبوعات تکبیر کراچی۔ صفحہ ۱۱۰)

منفرد حقیقت:

ابو علی نے لکھا ہے ''شیعہ مسلمان عمومی طور پر اور اسماعیلی خصوصی طور پر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن پاک کو نبی کریم اور ان کے جانشین آئمہ سے اور کوئی زیادہ بہتر نہیں سمجھتا، کیونکہ قرآن پاک ان کے گھر میں نازل ہوا''۔ (حقیقت اسماعیلیہ یا اسماعیلی طریقت۔ از اکبر علی۔ مہر علی۔ ترجمہ، سید تنظیم حسین، مطبوعہ ادارہ مطبوعات تکبیر کراچی صفحہ ۱۱۱)

کلام امام مبین (حاضر امام) کے فرمان نمبر ۳۸ میں صفحہ نمبر ۹۶ پر تحریر ہے۔ ''جس امام کی باری ہو اس کے فرمان پر عمل کرو۔ توریت، انجیل، زبور اور فرقان یہ سب الگ الگ قوموں

پر وقفہ وقفہ سے نازل ہوتی تھیں۔قرآن شریف بھی حق تھا،مگر خلیفہ عثمانؓ کے وقت میں ردو بدل کر دیا گیا۔ آگے کے الفاظ پیچھے اور پیچھے کے آگے رکھ دیئے گئے ہیں۔اس معاملے میں سارے خلاصے ہمارے پاس ہیں۔تم لوگ ہم سے پوچھو،ہم سارے خلاصے دکھائیں گے“۔

گنان مومن چتیامنی مولف سید امام شاہ اسماعیلی آفیشل پبلی کیشنز صفحہ نمبر ۹۵ ”قرآن کے چالیس پارے ہیں۔جس میں سے ۳۰ پارے اس دنیا میں ہیں اور باقی دس پارے امام کے گھر میں ہیں۔ان دس پاروں کو ’اطہر وید‘ کہتے ہیں۔امام کی زبان یہی دس پارے ہیں“۔

جو کوئی بھی یقین سے اس کے اللہ کو علی کہتے ہیں اور جو اللہ کو علی ہی مانتے ہیں۔ حضرت علی نے حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ کا پیر کی حیثیت سے تقرر کیا۔ وہ یعنی علی اور محمد دونوں ایک ہی ہیں۔لوگ ان کو الگ الگ خیال کرتے ہیں۔حضرت علی کو خالق وشنو کہیے اور نبی حضرت محمد ﷺ برہما جی کا اوتار ہیں۔(نعوذ باللہ)

کلام امام مبین (فرمان آغا خان سوئم) سرکاری اسماعیلی پبلی کیشنز صفحہ نمبر ۸۱ ”آپ لوگوں کے لئے جو علم ہے وہ گنان ہے۔قرآن شریف کو ۱۳سو سال ہو چکے ہیں۔

وہ ملک عرب کی آبادی کے لئے ہے۔آپ کے لئے گنان ہے جسے سات سو سال ہوئے ہیں۔اسی پر عمل کرتے رہیں۔(آغا خانی اسماعیلیوں کی تاریخ۔صفحہ ۱۷۲)

○ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اس نے محمد ﷺ پر عربی زبان میں نازل کیا ہے اور اس کی حفاظت کا ذمہ بھی اللہ تعالیٰ نے اُٹھایا ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون“

(بے شک ہم نے اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں) سورۃ الحجرۃ آیت نمبر ۹)

”یہ اللہ کی کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں“۔(سورۃ البقرہ آیت نمبر ۱،۲)

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتو بسورۃ من مثلہ و ادعو اشھداء کم من دون اللہ ان کنتم صدقین“

اور اگر تمہیں اس امر میں شک ہو کہ یہ کتاب جو ہم نے اپنے بندے پر اُتاری ہے یہ ہماری ہے یا نہیں تو اس کی مانند ایک ہی سورت بنالاؤ اپنے سارے ہمنواؤں کو بلالو سوائے اللہ

کے جس کی چاہو مدد لے لو اگر تم سچے ہو تو یہ کام کر کے دکھاؤ۔ (سورۃ البقرہ: آیت ۲۳)

اب اسماعیلیوں کے امام آغا خان سوم کا یہ کہنا کہ خلیفہ عثمان نے قرآن پاک کے کچھ حصے حذف کر دیئے، حضرت عثمانؓ پر بہتان ہے اور قرآن کریم کا صریحاً انکار کرنا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کی ہو اور کوئی انسان اس کے کچھ حصے حذف کر دیں۔ یہ بات خلافِ عقل ہے اور پھر آغا خان سوم کا یہ کہنا کہ میں تمہیں اصل قرآن دوں گا بھی ایک دھوکہ تھا جس میں یہ اسماعیلی آج تک مبتلا ہیں اور انتظار میں ہیں کہ انہیں امام غائب اصل قرآن دے گا۔ نیز اسماعیلیوں کا یہ عقیدہ کہ امام زمانہ کا فرمان ہی سب کچھ ہے اور ان کا (یعنی اسماعیلیوں کا) اماموں کے فرامین کو حدیث رسول کے برابر قرار دینا بھی سراسر جہالت ہے۔ ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ کیا اس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے یا رسول اللہ ﷺ نے، کبھی ہم نے یا صحابہ نے اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اس رسول کی پیروی کرو جس کے متعلق خود اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اور تمہیں رسولؐ جو عطا فرمائیں وہ لے لو اور وہ جس سے تمہیں منع کریں اس سے تم باز رہو (سورۃ حشر آیت ۷) نیز مشرکین مکہ نے بھی حضور ﷺ سے کہا تھا کہ آپ قرآن جیسا کوئی کلام لے آئیں یا اس میں تبدیلی کا ہمیں اختیار دیدیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نبیؐ ان سے فرما دیجئے کہ مجھے خود اس قرآن میں تبدیلی کا اختیار نہیں ہے۔ پھر میں تمہیں اس کی اجازت کیسے دے سکتا ہوں۔

آغا خانیوں کے ہندووانہ اور مشرکانہ عقائد

جنت یا جہنم (دینا) میرے ہاتھ میں ہے:

بہت سے اسماعیلی اخلاص کے ساتھ یہ یقین رکھتے ہیں کہ قیامت کے دن آغا خان حاکم اعلیٰ کے تخت پر براجمان ہوگا اور وہی فیصلہ صادر کرے گا۔ ان کا یہ یقین آغا خاں کے بہت سے فرمانوں پر مبنی ہے۔ ان فرمانوں میں سے ایک فرمان ذیل میں نقل کیا جاتا ہے، جو

آغا خاں نے ہندوستان میں راجکوٹ کے مقام پر جاری کیا جو گھونکی زبان کی ایک خانگی فرمان نامی کتاب میں شامل ہے۔

"مستقبل کا مطلق فکر نہ کرو اور اس بارے میں بھی مطلق فکر نہ کرو کہ آخرت میں جنت میں جاؤ گے یا دوزخ میں کیونکہ یہ تمام امور، جنت اور دوزخ (دینا) میرے ہاتھ میں ہیں"۔

(۲۰ فروری ۱۹۱۰ء صفحہ ۲۷) (حقیقت اسماعیلیہ یا اسماعیلی طریقت۔ از اکبر علی۔ مہر علی۔ ترجمہ، سید تنظیم حسین، مطبوعہ ادارہ مطبوعات تکبیر کراچی۔ صفحہ ۱۰۵۔۱۰۶)

کچھ اسماعیلی ایسے بھی ہیں جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آغا خاں حاکم اعلیٰ کے تخت پر تو نہیں براجمان ہوگا، بلکہ وہ ایک شافع (روز محشر) کی طرح کام کرے گا۔ اللہ اس کے اور اس کے مقررہ کردہ نمائندوں (مکھیوں اور کامڑیوں) کے چھینٹے کے ذریعہ معاف کردہ گناہوں کے متعلق سوال نہیں کرے گا۔

○ توحید کا مسئلہ اتنا اہم اور بنیادی ہے کہ دنیا میں ہر نبی جب بھی اور جہاں بھی آیا اس نے سب سے پہلے اپنی قوم یا اپنے علاقے کے لوگوں کو توحید ہی کی دعوت دی جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ترجمہ: "اے پیغمبر! تجھ سے پہلے ہم نے جو رسول بھی بھیجا اس کی طرح یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم میری ہی عبادت کرو"۔

پیغمبر آخر الزمان حضرت محمد ﷺ نے بھی اپنی تبلیغ کا آغاز اسی دعوت توحید سے کیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا۔ (قولوا الا الہ الا اللہ تفلحو) مسند احمد ج ۳، ص ۴۹۲۔

"لوگو! اس بات کا اقرار کرلو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، تم فلاح یاب ہو جاؤ گے۔

قرآن کریم کے مطالعہ سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ "زمین اور آسمان کی بادشاہت اللہ کے لئے ہے اور قیامت کے دن بھی بادشاہت اللہ کے لئے ہوگی"۔

ارشاد ربانی ہے "ملک یوم الدین" روز جزا کا مالک اللہ ہے۔ (فاتحہ: آیت نمبر ۳)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"لمن الملک الیوم" آج کے دن (یعنی قیامت کے دن) کس کی بادشاہت ہے۔ (سورۃ مومن۔ آیت نمبر۔ ۱۶) تمام حاضرین پکار اٹھیں گے کہ "للہ الواحد القھار"۔ اللہ واحد قہار کے لئے۔ (سورۃ مومن۔ آیت نمبر۔ ۱۶)

دین اسلام کی تیسری نظریاتی بنیاد آخرت میں اپنے اعمال کی جزا وسزا کا عقیدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے آپ کو اپنے اہل وعیال کو آتش جہنم سے بچاؤ۔

نیز یہ بھی فرمایا:

ترجمہ: ''اپنے پروردگار کی بخشش اور جنت کی طرف لپکو''۔

اور حضور اکرم ﷺ نے اپنی مکہ کی تیرہ سالہ زندگی اسی جزا وسزا کے عقیدہ اور جنت اور دوزخ کے اوصاف بیان کرنے میں گزار دی۔ چنانچہ مکی سورتوں میں جنت اور دوزخ کا یہ تصور نمایاں طور پر پایا جاتا ہے اور اس عقیدہ کو کئی انداز سے ذہن نشین کرلیا گیا ہے اور حقیقت میں یہی عقیدہ انسان کی عملی زندگی کی جان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو جنت کی بشارت دی ہے اور کفار کے لئے آگ کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ''اور اے پیغمبر جو لوگ اس کتاب پر ایمان لے آئیں اور اس کے مطابق اپنے عمل درست کریں انہیں خوش خبری دے دو کہ ان کے لئے ایسے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی (سورۃ البقرۃ آیت۔۲۵)

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ترجمہ: ''پس تم ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن بنیں گے انسان اور پتھر جو مہیا کی گئی ہے منکرین کے حق کے لئے (سورۃ البقرآیت۔۲۴)

''حضرت عبادہ بن صامتؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور حضرت محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے بندے، اس کے رسول، اس کا کلمہ جو اس (اللہ) نے حضرت مریم کی طرف ڈالا تھا اور اس کی طرف سے (بھیجی ہوئی) روح تھے اور (جو شخص اس بات کی بھی گواہی دے کہ) جنت اور جہنم برحق ہیں تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ (بہرحال) جنت میں داخل کرے گا، خواہ اس کے اعمال کیسے ہی ہوں''۔ (صحیح بخاری، صحیح مسلم)

قرآن و سنت کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ دنیا و آخرت میں اقتدار اعلیٰ اللہ تعالیٰ ہے اور جنت و دوزخ بھی اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے تا کہ وہ ایمان لانے والوں اور اعمال صالح کرنے والوں کو ان کی جزا دے اور انکار کرنے والوں کو عذاب سے دوچار کرے۔ مذکورہ بالا حدیث سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جنت اور دوزخ پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ اب جو شخص جنت و دوزخ اور اس کے بنانے والے (یعنی رب العالمین) پر ایمان نہیں رکھتا، وہ مومن نہیں ہوسکتا۔ اسماعیلی حضرات کا یہ یقین رکھنا کہ آغا خان حاکم اعلیٰ کے تخت پر براجمان ہوگا اور وہی فیصلہ کرے گا۔ نیز آغا خاں کا یہ کہنا کہ مستقبل کی فکر نہ کرو اور اس بارے میں مطلع فکر نہ کرو کہ آخرت میں جنت میں جاؤ گے یا جہنم میں کیونکہ یہ تمام امور، جنت اور دوزخ (دینا) میرے ہاتھ میں ہیں''۔ صریحاً شرک و جہالت ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنے والا انسان مومن نہیں ہوسکتا۔

گناہوں سے مغفرت کا انوکھا انداز:

کسی بھی اسماعیلی کے چہرے پر زندگی میں یا اس کی میت پر یا اس کی تدفین کے بعد اس کے کسی عزیز کے چہرے پر آغا خاں کے نمائندے آب شفا چھڑکنے کو چھیٹہ کہتے ہیں۔ عام طور پر ایک اسماعیلی اپنی زندگی میں دو ہزار سے پانچ ہزار بار ''چھیٹہ'' لیتا ہے اور قریباً بارہ تیرہ بار مرنے کے بعد۔ البتہ اس چھیٹہ کے لئے ہر بار مقررہ فیس کی ادائیگی ضروری ہے۔ (حقیقت اسماعیلیہ یا اسماعیلی طریقت۔ از اکبر علی۔ مہر علی۔ ترجمہ، سید تنظیم حسین، مطبوعہ ادارہ مطبوعات تکبیر کراچی۔ صفحہ ۱۰۶)

گنان نمبر ۳۵، صفحہ نمبر ۴۰ مولف پیر صدر الدین اسماعیلی سرکاری پبلی کیشن۔ ''جس کو شاہ علی (امام حاضر) کا دیدار نصیب ہوا اس کو کوئی جسمانی تکالیف نہیں پہنچے گی اور آواگون کے دوران جتنے گناہ جمع ہوئے تھے وہ بھی معاف ہوجائیں گے اور وہ ساتویں آسمان پر فائز ہوگا۔

○ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے اور اسے صرف اور صرف اپنی عبادات کے لئے پیدا کیا ہے۔ نیز انسانوں کے گناہوں کی مغفرت بھی اللہ تعالیٰ ہی کرسکتا ہے۔ چنانچہ اسماعیلی حضرات کا گناہوں کی مغفرت کے لئے آغا خان کے نمائندے سے ''اپنے

چہروں پر آب شفا'' کا چھڑکاؤ کرانا صریحاً کفر ہے اور قرآن وسنت کی تعلیمات کا انکار ہے کیونکہ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے:

ترجمہ: ''اور جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی کوئی فحش کام ان سے سرزد ہو جاتا ہے یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو معاً اللہ انہیں یاد آجاتا ہے اور اس سے وہ اپنے قصوروں کی معافی چاہتے ہیں، کیونکہ اللہ کے سوا اور کون ہے جو گناہ معاف کر سکتا ہے اور وہ کبھی دانستہ اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے۔ (آل عمران۔آیت ۱۳۵)

قبلہ کی طرف رُخ کرنا اسلام کا بنیادی اصول نہیں:

اسماعیلی اپنی رسمی عبادات کے دوران اسلامی قبلہ یعنی مکہ مکرمہ کی طرف اپنا رُخ نہیں کرتے۔ اس منفرد اعتقاد کی تائید میں داعی الواعظ ابوعلی نے لکھا ہے:

''عبادت (نماز) میں قبلہ کی طرف رُخ کرنا اسلام کا بنیادی اصول نہیں ہے، سنت ہے''۔ (حقیقت اسماعیلیہ یا اسماعیلی طریقت۔ از اکبر علی۔ مہر علی۔ ترجمہ، سید تنظیم حسین، مطبوعہ ادارہ مطبوعات تکبیر کراچی۔ صفحہ ۱۰۶)

○ قارئین کرام! اسماعیلی حضرات کا بیت اللہ کی طرف رُخ نہ کرنا بھی ایک جرم ہے، لیکن ان کا یہ کہنا کہ قبلہ کی طرف رُخ کرنا اسلام کا بنیادی اصول نہیں ہے، صریحاً کفر ہے۔ حالانکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

ترجمہ: ''اور ہر ایک کے لئے رُخ ہے جس کی طرف وہ مڑتا ہے، پس تم بھلائیوں کی طرف سبقت کرو جہاں بھی تم ہو گے، اللہ تمہیں پا لے گا، اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔ (سورۃ البقرۃ۔آیت: ۱۴۸) اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ''تمہارا گزر جس مقام سے بھی ہو وہیں سے اپنا رُخ (نماز کے وقت) مسجد حرام کی طرف پھیر دو، کیونکہ یہ تمہارے رب کا بالکل برحق فیصلہ ہے اور اللہ تم لوگوں کے اعمال سے بے خبر نہیں ہے۔ (سورۃ البقرہ آیت۔ ۱۴۹)



نجی بورڈ کے قیام کے مضمرات

منعم ظفر خان

کسی بھی ملک کا تعلیمی نظام اُس ملک میں رہنے والی قوم کی اُمنگوں اور آرزوؤں کا عکاس' اُس قوم کی تہذیب کا آئینہ دار' روایت کا امین اور اُس قوم کو درپیش چیلنجز سے نمٹنے کی تیاری کا ایک عمل ہوتا ہے۔ وطنِ عزیز اسلامی جمہوریہ پاکستان جس کے قیام کو آج ۵۷ برس سے زائد کا عرصہ گزر چکا ہے لیکن اس کے باوجود ہم تعلیمی' سیاسی' سماجی' معاشی غرضیکہ ہر میدان میں اپنی بنیاد سے دور بے سمتی کا شکار ہیں۔

تعلیمی نظام کو پسِ پشت ڈالنے کا نتیجہ ہی ہے کہ ہم دوسری اقوام کے زیر دست ہیں اور جب کسی قوم کے ذہنوں کو فتح کر لیا جائے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جسمانی غلامی بھی مقدر بن جاتی ہے۔ آج معاشرے میں جس طرح بے چینی کی ایک فضا پائی جاتی ہے' جس میں ہر آنے والے دن میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے' وہیں اس وقت تعلیم کی سیکولرائزیشن ایک ایسا ایشو ہے جس پر بہت کچھ لکھا گیا ہے اور لکھا جائے گا۔ بالخصوص آغا خان تعلیمی بورڈ (نجی بورڈ) کا قیام ایک ایسا عمل ہے کہ جس کے نتیجے میں پراگندگی اور انتشار کا شکار نظامِ تعلیم مزید پراگندہ ہو جائے گا اور مملکتِ پاکستان میں پہلے سے موجود طبقاتی خلیج اور زیادہ وسیع ہو جائے گی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ان امور کا جائزہ لیا جائے کہ جن کی بنا پر ہر مکتب فکر کے اندر اس بورڈ کے قیام نے تشویش کی لہر پیدا کر دی ہے۔

جو لوگ آغا خان یونیورسٹی بورڈ کی حمایت میں ہیں' اُن کا خیال ہے کہ یہ بورڈ ملک میں تعلیمی معیار کی بہتری میں ایک اچھی پیش رفت ثابت ہوگا۔ اُن کے خیال کے مطابق اِس بورڈ کے ذریعے ایک جدید' شفاف اور موثر و کارگر امتحانی نظامِ ضوابط تشکیل پا سکے گا۔ اس حوالے سے جو سب سے اہم دلیل دی گئی ہے' وہ آغا خان یونیورسٹی کا تعلیمی تجربہ ہے۔

سب سے پہلے تو اس دلیل کو لیا جائے جو خود آغا خان یونیورسٹی اپنے حق میں استعمال

کرتی ہے۔ یعنی یہ کہ صرف اس بورڈ کے قیام سے ہی تعلیمی معیارات میں بہتری آئے گی۔ یقیناً تعلیمی معیار کی بہتری محض ایک موثر اور کارگر امتحانی نظامِ ضوابط کی تشکیل پر منحصر نہیں ہے۔ ماہرین کے مطابق امتحان تو کسی تعلیمی مراحل کا آخری مرحلہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تعلیم کے ابتدائی مراحل یعنی نصاب کی منصوبہ بندی' تعلیمی مواد کی تیاری' اشاعت' نصابی کتب کی تقسیم اور تربیتِ اساتذہ وغیرہ بھی مساوی اہمیت کے حامل ہیں۔ اگر انہیں اہم تر نہ بھی کہا جائے تو بھی معمول کے مطابق حکومتی بورڈز ہر مرحلے کے لیے رہنما اصول دیتے ہیں۔ لیکن ہر انفرادی ادارے کے امور و معاملات کو کنٹرول کرنے کا کام انجام نہیں دیتے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر نظامِ تعلیم کی استواری اور نصابِ تعلیم کی تیاری بڑے کام نہیں تو امتحان لینا کون سا کارِ محال ہے' جس کے لیے مخصوص فکر و مزاج کا حامل بورڈ قائم کرنا ناگزیر ٹھہرے؟ علاوہ ازیں بعض مراحل مثلاً نصابِ تعلیم کا تعین وفاقی حکومت کے ذمہ ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ دوسرے پہلوؤں کا جائزہ لیے بغیر محض نظامِ امتحان کو تبدیل کر دینے سے کوئی زیادہ فرق واضح نہیں ہو گا۔ چیئرمین آغا خان یونیورسٹی بورڈ نے ایک اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے یہ بات بھی کہی کہ ''ابھی نصاب پر کام کرنا شروع نہیں کیا ہے' اگر ضرورت پڑی تو ہم ایسا شعبہ ضرور قائم کریں گے''۔

کسی بھی بورڈ کو متوازی نظامت تعلیم سے امتحانات کی پیشگی منظوری کی ضرورت ہوتی ہے۔ نجی بورڈ کی صورت میں کیا صورتحال ہو گی' یہ غیر واضح ہے۔ اس کے علاوہ ایک پہلے سے تیار شدہ کوٹہ یا طریقِ کار کالجز میں داخلہ لینے کے لیے ضروری ہے جو اعلیٰ ثانوی تعلیم مہیا کرتا ہے۔ یہ ایک عام اصول ہے کہ شہر میں واقع کالجز صرف انہی طلبہ کو داخلہ دیتے ہیں' جو اس شہر کے ثانوی بورڈ سے منسلک ہوتے ہیں جبکہ آغا خان بورڈ کا حلقہ اثر پورا ملک ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک بہت ہی واضح مفاہمت امتحانی بورڈ اور ان اداروں میں ہونا چاہیے جو آئندہ ایک ہی تعلیمی سطح کی تجویز سامنے لائے ہیں' جس کے معیار پر طلبہ اُسی وقت اتر سکتے ہیں کہ جب یہ بورڈ کا مخصوص امتحان پاس کر لیں۔

یونیورسٹی کی سطح پر توازن کا مسئلہ ابھرے گا۔ یونیورسٹی نیم خودمختار ادارے ہیں' جو اپنی داخلہ پالیسی اور یونیورسٹی میں داخلہ سے قبل کے معیار کا اندازہ خود لگاتی ہیں۔ وہ مشترک پیمانہ

جو یونیورسٹیاں اختیار کرتی ہیں' وہ یہ کہ طلبا سے دریافت کیا جاتا ہے کہ کس نے بیرونی بورڈ یا نجی بورڈ سے امتحان دیا ہے' تاکہ پبلک سیکٹر بورڈ سے اس کی متوازی ہم آہنگی ہو سکے۔

اس صورت میں آغا خان یونیورسٹی بورڈ اور حکومتی بورڈ کے مابین توازن کا معیار کیا ہو گا؟ اس کے علاوہ حکومتی امتحانی بورڈز کی مبینہ خراب کارکردگی کے پیشِ نظر نجی بورڈز کو تشکیل دینے کا مسئلہ کسی بھی طریقے سے مبنی بر انصاف نہیں ہے۔ ابھی تک کوئی سائنٹیفک مطالعہ نہیں کیا گیا ہے' جس سے موجودہ بورڈز کے Merit اور Demerit کو ثابت کیا گیا ہو۔ بورڈ افسران کی امتحانات میں بدعنوانی اور غیر قانونی ذرائع کے استعمال کی داستانیں اور کہانیاں سننے کو ملتی رہی ہیں۔

اس وقت پاکستان میں ۲۳ تعلیمی بورڈز ہیں جو حکومت کے زیرِ انتظام ہیں جبکہ دوسری طرف امریکی سفیر نے آغا خان بورڈ کو خوشخبری بھی سنائی ہے کہ ''جب تک یہ (آغا خان) بورڈ اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو جاتا اسے امداد دی جاتی رہے گی''۔

بیرونِ ملک سے ملحقہ نجی بورڈ کے اپنے آزاد ممتحن ہوں گے جبکہ سرکاری بورڈز کے ذریعے امتحان لیے جانے کی صورت میں اس ادارے کے اسٹاف سے کام لیا جاتا ہے۔ یہ چیز بعض کے نزدیک اچھی نہیں ہے' لیکن لاکھوں طلبہ کے بورڈ کے امتحانات میں Appear ہونے کے سبب اس سے گریز ممکن نہیں۔ آخر اس کا حل کیا ہے؟ مزید یہ کہ یہاں دلیل یہ دی جاتی ہے کہ حکومتی بورڈز نااہل ہیں اور ایک خراب معیار کا امتحان لیتے ہیں' تاہم اس طرح کی خرابیاں انتظامی تدابیر کے ذریعے دور کی جاسکتی ہیں اور مزید اہل تر اور تربیت یافتہ عملے سے کام لیا جاسکتا ہے۔ علاوہ ازیں موجودہ بورڈز کے جو خیالات ہیں' اُن پر غور نہیں کیا گیا اور اگر ان پر غور کیا بھی گیا ہے تو پبلک کو یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ اس کا نتیجہ کیا نکلا۔ بعض مبصرین کے نزدیک یہ بات حیرت انگیز ہے کہ کسی ایک بھی پبلک سیکٹر بورڈ نے اب تک اپنے اوپر لگائے گئے بدانتظامی اور بدعنوانی کے الزامات کی کوئی وضاحت نہیں کی۔ اس طرح کا اقدام پبلک سیکٹر کی جانب سے اس لیے ضروری تھا کہ یہ الزامات ان کی طرف سے عائد کردہ تھے جو نجی امتحانی بورڈ کی تشکیل کے حق میں جواز پیش کرتے ہیں۔

لیکن فوری طور سے اس سلسلے میں کوئی وضاحت نہ آنے کی وجہ بہت ہی سادہ اور واضح

ہے وہ یہ کہ بورڈز سرکار کے ماتحت ہیں اور تا آنکہ پرائیویٹ امتحانی بورڈ کی تخلیق کے مکمل زاویہ نظر کی خود حکومت کی طرف سے حوصلہ شکنی نہیں ہوتی ہے' حکومتی بورڈز کی انتظامیہ اس مسئلے پر اپنے خیالات اعلانیہ پیش کرنے سے معذور ہے۔ نومبر ۲۰۰۴ء میں وفاقی وزیرِ تعلیم نے اعلانیہ پبلک بورڈز کی کارکردگی پر عدم اطمینان کا اظہار کیا تھا لیکن معمولی سا بھی کوئی ردِ عمل بورڈز کی طرف سے نہیں آیا۔ بہر حال ہماری حکومت میں اس طرح کے اختلافات کو ہمیشہ عدم تعاون سے تعبیر کیا جاتا رہا ہے۔

یہاں یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ آغا خان بورڈ کو ہر سال نصاب میں ٪۱۰ تبدیلی کا اختیار دیا گیا ہے یعنی ۱۰ سال میں ٪۱۰۰ تبدیلی۔ ایک طرف صرف یہ کہا جاتا ہے کہ یہ صرف امتحانی بورڈ ہے جبکہ دوسری طرف نصاب میں تبدیلی کا اختیار چہ معنی دارد۔۔۔! اساتذہ کی تربیت کے لیے آغا فاؤنڈیشن کے ادارے 'انسٹی ٹیوٹ فار ایجوکیشنل ڈویلپمنٹ کو یورپی یونین کی امداد بھی مل رہی ہے' جس کے تحت اساتذہ کرام کو تربیت کے لیے بیرونِ ملک بھیجا جائے گا۔

اس کے ساتھ ساتھ اگر فیسوں کا جائزہ لیا جائے تو سرکاری بورڈز کی فیس ۴۰۰ روپے سے لے کر ۷۵۰ روپے ہے جبکہ آغا خان بورڈ کی ابتدائی فیس غیر منافع بخش کمیونٹی اسکولز کے لیے ۱۵۰۰ اور منافع بخش اسکولز کے لیے ۳۸۰۰ روپے ہے۔ آغا خان میڈیکل کالج جس کو Role Model بنا کر پیش کیا جاتا ہے' اگر ہم اس کے اور سرکاری میڈیکل کالجز کی فیسوں کے درمیان موازنہ کریں تو کئی گنا فرق نظر آتا ہے۔

سرکاری میڈیکل کالج کی ایک سال کی فیس۔۔۔ ۱۱,۸۰۰ روپے

آغا خان میڈیکل کالج کی ایک سال کی فیس۔۔۔ ۳۴۰,۰۰۰ روپے

یہ اور اسی طرح کے دیگر اعداد و شمار ہمیں یہ بات سوچنے پر مجبور کرتے ہیں کہ اگر آغا خان بورڈ کو پاکستان میں کھل کھیلنے کا موقع دیا گیا تو سرکاری بورڈز کی کیا حیثیت رہ جائے گی؟ کیا متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے بچوں پر تعلیمی دروازے کھلے رہیں گے؟

آخری مگر اہم بات یہ ہے کہ وہ طریقہ' وہ انداز قابلِ اعتراض ہے جس سے آغا خان امتحانی بورڈ تشکیل دیا گیا ہے یعنی آرڈیننس کے ذریعہ نہ کہ کسی پارلیمانی عمل کے ذریعہ۔



تعلیم کیا ہے؟

علم اور تعلیم کی اسی مسلّمہ اہمیت کے پیشِ نظر انتہائی ضروری ہے کہ ہم تعلیم کی نوعیت اور اس کے اساسی اصول کا صحیح فہم حاصل کریں۔

تعلیم صرف تدریسِ عام کا ہی نام نہیں ہے۔ تعلیم ایک ایسا عمل ہے، جس کے ذریعہ ایک فرد اور ایک قوم خود آگہی حاصل کرتی ہے اور یہ عمل اس قوم کو تشکیل دینے والے افراد کے احساس و شعور کو نکھارنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ یہ نئی نسل کی وہ تعلیم و تربیت ہے جو اسے زندگی گزارنے کے طریقوں کا شعور دیتی اور اس میں زندگی کے مقاصد و فرائض کا احساس پیدا کرتی ہے۔ تعلیم سے ہی ایک قوم اپنے ثقافتی و ذہنی اور فکری ورثے کو آئندہ نسلوں تک پہنچاتی اور ان میں زندگی کے ان مقاصد سے لگاؤ پیدا کرتی ہے، جنہیں اس نے اختیار کیا ہے۔ تعلیم ایک ذہنی و جسمانی اور اخلاقی تربیت ہے اور اس کا مقصد اونچے درجے کے ایسے تہذیب یافتہ مرد اور عورتیں پیدا کرنا ہے، جو اچھے انسانوں کی حیثیت سے اور کسی ریاست میں بطور ذمہ دار شہری اپنے فرائض انجام دینے کے اہل ہوں۔ ہر دور کے ممتاز ماہرینِ تعلیم کے نظریات کا مطالعہ اسی تصورِ تعلیم کا پتا دیتا ہے۔

(نظامِ تعلیم۔ نظریہ، روایت، مسائل)